



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

مشخصات کتاب

نام کتاب: وہابیت کا تقدیری جائزہ
تالیف: شیخ نجم الدین طبی
ترجمہ: سید غافر حسن رضوی چھوٹی "ہندی"
صحیح: سید شاہد جمال رضوی گوپال پوری
نظر ثانی: ناظم حسین اکبر
صفحات: ۲۵۰
تعداد: ۵۰۰۰
طباعت: اول؛ دسمبر ۲۰۱۳ء
پیشکش: شعور ولایت فاؤنڈیشن (لکھنؤ)
ناشر: ابوطالب انٹرنیشنل اسلامک انسٹی ٹیوٹ لاہور پاکستان

ملنے کا پتہ:

- ۱۔ جامعہ شیر شاہ ایڈ ابوطالب اسلامک انسٹی ٹیوٹ محب پور سادات، خوشاب
- ۲۔ جامعہ رضویہ، چھوٹ سادات ضلع جی نگر (ہندوستان) +919720023544
- ۳۔ شعور ولایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ (ہندوستان) +919044865176
- ۴۔ شاکرین حضرات شعور ولایت فاؤنڈیشن کی سائٹ پر بھی مراجعہ کر سکتے ہیں:

www.shaoorewilayat.com

فہرست مطالب

۱	فہرست مطالب
۱۲	عرض ناشر
۱۵	حرف دل مترجم
۱۷	مقدمہ مؤلف
۲۱	پہلی فصل: شفاعت کی درخواست
۲۱	شفاعت کے بارے میں وہابیوں کا نظریہ
۲۲	محمد ابن عبدالوہاب کا نظریہ
۲۲	محمد ابن عبدالوہاب کے قول کا تقيیدی جائزہ
۲۲	شفاعت کا معنی
۲۳	شفاعت سے فائدہ اٹھانا

وہابیت کا تقدیم جائزہ

۲۳.....	شفع کا کردار.....
۲۵.....	شفاعت کرنے والے.....
۲۵.....	دنیا میں شفاعت کرنے والے.....
۲۵.....	۱۔ توبہ.....
۲۶.....	۲۔ ایمان.....
۲۶.....	۳۔ عمل صالح.....
۲۷.....	۴۔ قرآن کریم.....
۲۷.....	۵۔ انبیاء الہی.....
۲۷.....	۶۔ فرشتے.....
۲۸.....	۷۔ مومنین.....
۲۸.....	روز قیامت شفاعت کرنے والے.....
۲۸.....	۸۔ انبیاء الہی.....
۲۹.....	۹۔ فرشتے.....
۲۹.....	۱۰۔ شہداء.....
۳۰.....	۱۱۔ مومنین.....
۳۳.....	۱۲۔ فرشتوں کی شفاعت.....
۳۴.....	۱۳۔ جگرا سود کی شفاعت.....
۳۵.....	۱۴۔ مُردوں کی شفاعت.....
۳۶.....	۱۵۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی اخروی حیات.....
۳۶.....	۱۶۔ پیغمبر ﷺ کی اخروی حیات کے متعلق، علماء کے نظریات.....



۳۲.....	ایک اہم سوال
۳۹.....	روح کی بقا کے بارے میں سکلی کاظمی
۵۲.....	روایات میں شفاعت
۵۳.....	صحابہ کرام کی سیرت میں شفاعت کی درخواست
۵۵.....	دوسرا فصل: مقبروں کو متبرک شمار کرنا
۵۵.....	وہاں پول کاظمی
۵۵.....	وہاں پول کاظمی پر تقید
۵۶.....	الف: قبر پیغمبرؐ کی خاک پاک کو فاطمہ کا متبرک شمار کرنا
۵۷.....	ب: ابو ایوب انصاری کا قبر پیغمبرؐ گومبارک شمار کرنا
۵۸.....	ج: بلال کا قبر پیغمبرؐ گومبارک شمار کرنا
۵۸.....	د: ابن عمر کا قبر بنوی گومبارک شمار کرنا
۵۸.....	ه: ابن منکدر کا قبر بنوی سے تبرک حاصل کرنا
۵۹.....	علمائے اہل سنت کے نظریات اور فتویٰ
۵۹.....	احمد بن حنبل کا فتویٰ
۵۹.....	ابن تیمیہ کی حجت
۶۰.....	رمی شافعی کا فتویٰ
۶۰.....	رمی شافعی کا دوسرا فتویٰ
۶۰.....	محب الدین طبری کا فتویٰ
۶۱.....	شہاب الدین حنفی کا فتویٰ
۶۱.....	ابن ابی صیف کا فتویٰ



وہابیت کا تقدیمی جائزہ

۶۱.....	زرقانی مالکی کا فتویٰ
۶۱.....	عزامی شافعی کا فتویٰ
۶۲.....	ابن حجر کا فتویٰ
۶۳.....	شیخ ابراہیم شافعی کا فتویٰ
۶۳.....	شیخ عداوی مالکی کا فتویٰ
۶۳.....	قبر چونے کے متعلق روایات
۶۴.....	منبر رسول سے حصول برکت
۶۵.....	پہلا نمونہ
۶۵.....	دوسرانہ نمونہ
۶۵.....	تیسرا نمونہ
۶۵.....	چوتھا نمونہ
۶۶.....	پانچواں نمونہ
۶۶.....	چھٹا نمونہ
۶۶.....	تبرک کے بارے میں فقهاء کے فتوے
۶۶.....	پہلا فتویٰ
۶۶.....	دوسر افتوقی
۶۷.....	تیسرا فتویٰ
۶۷.....	قبر پیغمبر ﷺ سے تبرک
۶۹.....	خاک مدینہ، بیماریوں سے شفافیت
۷۱.....	سونے کا مبارک سکھ



۷۳.....	آثار پیغمبر اسلام سے تبرک
۷۷.....	در فاطمہ زہرا سے تبرک
۷۸.....	کوہ مرودہ سے تبرک
۷۹.....	بعض قبروں اور جنائزوں سے تبرک
۸۳.....	تیری فصل: استغاشہ اور حاجت طلبی
۸۴.....	وہا بیوں کا نظریہ
۸۵.....	اس نظریہ کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ
۸۷.....	سمودی کا بیان
۸۸.....	ابن تیسیہ کا بیان
۸۹.....	مُردوں سے مدد طلب کرنا
۹۰.....	دعا کے اصطلاحی معنی
۹۲.....	انبیائے الٰہی سے مدد طلب کرنا
۹۵.....	قبر رسول پر نایبنا کا استغاشہ
۹۷.....	قبروں سے استغاشہ
۹۷.....	۱۔ قبر رسول سے استغاشہ
۹۸.....	۲۔ قاہرہ میں سر حسین سے استغاشہ
۹۹.....	۳۔ مدفن سر حسین سے نایبنا کا استغاشہ
۱۰۰.....	۴۔ ابن حبان کا امام رضا سے استغاشہ
۱۰۱.....	۵۔ ابن حبان کا تعارف
۱۰۲.....	۶۔ امام رضا کی قبر پر ابن خزیمہ کا گردیہ



۱۰۲.....	ابن خزیمہ کا تعارف
۱۰۳.....	قبر سے استغاشہ کے چند نمونے
۱۰۶.....	توسل کے متعلق امام قیروانی کا نظریہ
۱۰۸.....	قبر رسولؐ سے استغاشہ کی چند داستانیں
۱۰۸.....	۱۔ داستان ابن منکدر
۱۰۹.....	۲۔ مہمان نوازی
۱۰۹.....	۳۔ ایک روٹی سے مہمان نوازی
۱۱۰.....	۴۔ بابرکت دولت
۱۱۰.....	۵۔ ایک پیالہ دودھ
۱۱۱.....	۶۔ لذیذ کھجوریں
۱۱۱.....	۷۔ آگوشت (خینی - شوربہ) کی تمنا
۱۱۲.....	۸۔ ایک بھوکے انسان کی آرزو
۱۱۳.....	۹۔ سمہودی کا واقعہ
۱۱۵.....	چوتھی فصل: زیارت قبور
۱۱۵.....	قبرسلؐ کی زیارت
۱۱۶.....	ابن تیمیہ کے نظریہ کا تقدیمی جائزہ
۱۱۶.....	۱۔ قرآن کریم
۱۱۸.....	۲۔ روایات
۱۲۱.....	۳۔ صحابہ کرام کی سیرت
۱۲۲.....	۴۔ عقل

حدیث سفر زیارت کی تحقیق.....	۱۲۲
ابن تیمیہ کے مقامیں، علمائے اسلام کے نظریات.....	۱۲۷
زیارت قبور اور زیارتگاہوں کی زیارت.....	۱۲۹
زیارت قبور کے متعلق روایات.....	۱۳۰
اصحاب و تابعین کی سیرت.....	۱۳۲
لائق زیارت قبریں.....	۱۳۲
علمائے اہل سنت کے نظریات.....	۱۳۲
پیغمبر اکرم اور قبر مادر کی زیارت.....	۱۳۳
پیغمبر اکرم کے والدین کا ایمان.....	۱۳۳
ایک اہم نکتہ.....	۱۳۷
پانچویں فصل: خواتین کا زیارت قبور کے لئے جانا.....	۱۵۱
خواتین کے لئے زیارت قبور کا جواز.....	۱۵۱
روایت کا تنقیدی جائزہ.....	۱۵۳
زیارت قبور کے جواز میں علمائے اہلسنت کے فتویے.....	۱۵۴
روایت کی سند کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ.....	۱۵۸
چھٹی فصل: قبروں کے پاس نمازو دعا.....	۱۶۱
قبر رسول اور دیگر قبروں کے پاس نمازو دعا.....	۱۶۱
ابن تیمیہ کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ.....	۱۶۲
علماء کا وہاں کی مخالفت کرنا.....	۱۶۹
دعا: قبلہ رویا قبر رسول کی جانب رخ کر کے؟.....	۱۷۰

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب.....	۱۷۱
مقبروں کو مسجد قرار دینا.....	۱۷۵
ذکورہ بالاروایت کا تقدیمی جائزہ.....	۱۷۵
اس روایت کے بارے میں علمائے اہلسنت کے نظریات.....	۱۷۷
قبرستان میں نماز پڑھنے کے متعلق فقهاء کے فتوے.....	۱۷۹
ساقوئی فصل: مقبروں کی مرمت اور گلبدہ بنانا.....	۱۸۳
وہابیوں کا نظریہ.....	۱۸۳
وہابیوں کے فتاویٰ کا تقدیمی جائزہ.....	۱۸۵
حضرت علیؑ سے منقول روایات پر اعتراضات.....	۱۸۶
حضرت علیؑ کی جانب منسوب روایت کا تقدیمی جائزہ.....	۱۹۰
صحابہ کرام اور مسلمانوں کی سیرت.....	۱۹۱
قبر پیغمبر اکرمؐ کی مرمت.....	۱۹۲
صحابہ کرام اور دیگر افراد کی قبریں.....	۱۹۳
ابوزیمیر کی روایت سے وہابیوں کا استناد.....	۱۹۸
پہلا سلسلہ سندر.....	۱۹۸
دوسرा سلسلہ سندر.....	۱۹۸
تیسرا سلسلہ سندر.....	۱۹۹
چوتھا سلسلہ سندر.....	۱۹۹
پانچواں سلسلہ سندر.....	۱۹۹
روایت کی سندر کا تحقیقی جائزہ.....	۱۹۹



روایت کامفہوم اور اس کا تحقیقی جائزہ.....	۲۰۵
مقبرہ بنانے کے فوائد.....	۲۰۸
آٹھویں فصل: قبر پر چراغ جلانا.....	۲۰۹
وہابیوں کا نظریہ.....	۲۱۰
اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ.....	۲۱۱
مسلمانوں کی سیرت.....	۲۱۲
روایت کا تنقیدی جائزہ.....	۲۱۳
روایت کی دلائل اور اس کا مفہوم.....	۲۱۴
نوبیں فصل: نذر.....	۲۱۵
غیر خدا کی نذر کے متعلق وہابیوں کا نظریہ.....	۲۱۶
وہابی عقیدہ کا تحقیقی جائزہ.....	۲۱۷
نذر کے متعلق مسلمانوں کی سیرت.....	۲۱۸
نذر کے متعلق علماء کے فتوے.....	۲۱۹
دوسریں فصل: غیر خدا کی قسم کھانا.....	۲۲۰
وہابیوں کا نظریہ.....	۲۲۱
ابن تیمیہ کا نظریہ.....	۲۲۲
وہابی نظریہ کا تنقیدی جائزہ.....	۲۲۳
صحابہ کرام کی سیرت.....	۲۲۴
روایت ابن عمر کا تنقیدی جائزہ.....	۲۲۵



۲۳۵.....	گیارہویں فصل: مخالف و مجلس کا انعقاد
۲۳۵.....	جشن میلاد کا انعقاد
۲۳۵.....	جشن میلاد کے متعلق وہابیوں کے نظریات
۲۳۵.....	۱۔ ابن تیمیہ کا نظریہ
۲۳۶.....	۲۔ آل شیخ کا نظریہ
۲۳۶.....	۳۔ محمد حامد الفقی کا نظریہ
۲۳۷.....	وہابی افکار کا تقدیمی جائزہ
۲۳۹.....	۱۔ سیرت علماء
۲۴۰.....	روایت کا تحقیقی جائزہ
۲۴۲.....	روایت کے معنی اور اس کی فہریت
۲۴۵.....	حسن ختم
۲۴۷.....	منابع و مأخذ





اس وقت دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے پوری دنیا کے گوش و کنار میں اسلام کے پیروکار آباد ہیں اور بہت سے غیر اسلامی ممالک میں بھی مسلمان موجود ہیں جن کی علمی تشقیقی کو دور کرنے کے لئے ایک ایسے ادارے کا قیام ناگزیر تھا جو اسلام سے متعلق پیش آنے والے نت نئے اعتراضات اور سوالات کا علمی اور قانون کنندہ جواب تیار کر کے دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ جیسا کہ ولی امر مسلمین حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خامنہ ای دام ظله العالیٰ نے بھی اس بات کی تاکید فرمائی ہے: ”ہمیں اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہئے کہ عوام اور جوانوں کے ذہن میں کوئی شبہ آئے بلکہ ہمیں پہلے سے ہی شبہات کے لئے تیار رہنا چاہئے اور بے نیاز منابع سے استفادہ کرتے ہوئے ان کا جواب دینا چاہئے۔“

اسی ضرورت کے منظر ابوطالب علیہ السلام انٹرنشنل اسلامک انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کیا گیا تاکہ نوجوانوں کی علمی ترقی کو دور کیا جاسکے اور احمد اللہ اس راہ میں ادارہ هذا نے بہت کامیابی حاصل کی اور بہت ہی کم عرصہ میں بیس سے زیادہ عنادین پر مشتمل کتب کو سینکڑوں کی تعداد میں دنیا کے گوش و کنار میں پہنچانے کی سعادت حاصل کی اور یہ سلسلہ اب بھی مومنین کے تعاون سے جاری و ساری ہے۔ یاد رہے کہ ادارہ هذا بر صیر پاک و ہند کا وہ واحد ادارہ ہے جو مومنین کی خدمت میں دنیا کی مختلف زبانوں میں متعدد کتب پیش کرنے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی کتاب حاضر ”وہابیت کا تقدیمی جائزہ“ ہے جس میں ابن تیمیہ اور وہابیت کے شہادات کا عالمانہ اور منح توڑ جواب دیا گیا ہے، امید ہے کہ قارئین محترم اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ آخر کلام میں صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں برادر عزیز حجۃ الاسلام والمسالیین عالیجناب مولانا سپد خالق حسن رضوی چھوٹی ”ہندی“ صاحب کا کہ جنوں نے اس کتاب کو اردو کے سانچہ میں ڈھانے کی زحمت گوارافرمائی تاکہ اردو زبان حضرات کے لئے بہترین تخفہ ثابت ہو سکے۔ خداوند عالم موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کے قلم کی روانی میں دن دو گنی رات چو گنی ترقی عطا فرمائے۔ ”آمین“۔

والله بانی للارہ: ناظم حسین اکبر

۲۸ نومبر ۱۴۳۵ھ بطباق ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۴ء

مترجمہ حروف دل

وہا بیت اس دیک کا نام ہے جو شجر اسلام کو کھلا کر رہی ہے، وہا بیت ایسا نام ہے جو اسلام کے قلب میں سوراخ کرنا چاہتا ہے، وہا بیت حقیقی اور گھناؤ ناچہ بچانا بہت ضروری ہے اور اس کی تاریخ کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے لہذا ہم اس کتاب میں وہابیوں کے افکار نقل کریں گے اور ان کا تنقیدی جائزہ لیں گے لیکن اس سے پہلے وہا بیت کی مختصر تاریخ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں نکے بھے کے اواخر میں دنیاۓ اسلام ایک نام نہاد مسلمان کے بے حرم افکار کا شکار ہوئی، اس شخص (ابن تیمیہ) نے اپنے باطل نظریات کو ہر جگہ عالم کر دیا، اگرچہ اسے بہت سے دانشوروں نے نصیحت کی اور ہر دوست و دشمن نے روکنے کی کوشش کی لیکن یہ اپنی گمراہی پر قائم رہا، آخر کار علامے اسلام مجبور ہو کر اس کی مخالفت میں کھڑے ہوئے اور اس کو اسلامی معاشرہ سے خارج کر دیا، اس کو قید کر لیا گیا اور اسی قید خانہ میں واصل جہنم ہو گیا۔ ابن تیمیہ کی زندگی کے ساتھ

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

ساتھ اس کے باطل افکار بھی زیمن بوس ہونے لگے، اس کے شاگردوں نے ایری چوٹی کا زور لگایا کہ اس کے مذهب کو راجح کریں اور اس کے افکار کو عام کریں لیکن اس میں کامیابی نہیں مل سکی۔ محمد بن عبد الوہاب نے محمد بن سعود کی پشت پناہی میں ابن تیمیہ کے افکار کو عام کیا اور آخر کار اپنی دعوت کو عام کر کے تمام دنیا کے اسلام پر کفر کی تہمت لگادی۔ اس نے دین اسلام کے مسلم اصولوں کو اپنے پیروں تک رومندا، مسلمانوں کے اعتقادات پر حملہ کیا، قتل و غارتگری کو عام کیا اور ہزاروں بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ سب سے پہلے اس کے مقابلہ میں خود اس کے باپ اور بھائی نے قدم اٹھایا۔ اس کے بھائی "شیخ سلیمان" نے اس کے عقائد کی مخالفت میں کتاب تحریر کی اور مسلمانوں سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کے باطل افکار کے مقابلہ کو محکم کی مانند ڈٹ جائیں۔ اس کے بعد تمام اسلامی مذاہب نے مخالفت کا اظہار کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر، اپنی عوام تک کچھ حقائق پہونچانے کے پیش نظر میں نے یہ سوچا کہ اس کتاب کو ارادو سانچے میں ڈھالوں تاکہ ان حقائق سے عوام کو روشناس کرایا جاسکے اور انھیں وہابیت کا حقیقی چہرہ پکھوایا جاسکے۔ آخر کلام میں برادر عزیز مولانا سید شائف جمال رضوی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر مجھے اپنے بہترین مشوروں سے نوازا اور بہترین رہنمائی فرمائی، خداوند عالم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور مونین کے حق میں حقائق کا انکشاف فرمائے۔ "آمین"۔ "والسلام على من اتبع الرسول"

سید غافر حسن رضوی چھوٹی "ہندی"

۱۳۵/ہ۔ بروز تنبیہ بمطابوہ: ۱۴۳۵ھ۔



مُوْلَف مِقْدَمَه

اگر غور کیا جائے تو وہ بیوں کے افکار، اسلام، قرآن اور خلافت الہیہ کے خلاف نظر آئیں گے، وہ عقل کا استعمال کئے بغیر مسلمانوں پر کفر کافتوںی لگادیتے ہیں اور ان کی جان اور ان کے اموال کو جائز شمار کرتے ہیں!۔

اسی طرح اگر وہ بیوں کے تفکرات کا منصفانہ مطالعہ کیا جائے اور ان کو خوارج کے مقابل قرار دیا جائے تو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا یعنی وہ بیوں کا راستہ ہی ہے جو خوارج کا راستہ تھا۔ ابن وہاب کے زمانے سے دور حاضر تک کے مسلمان اسی کا خمیازہ بھگلت رہے ہیں۔

خوارج اور وہ بیوں میں موازنہ کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

وہابی عقائد کے مطابق: دعا صرف بارگاہ خداوندی سے مخصوص ہے، شفاعت صرف خدا کا حق ہے اور تو سل صرف خدا سے ہی کرنا چاہئے، ان کی یہ تمام باتیں خوارج کا شعار یاد دلاتی ہیں، ان کا یہی نعرہ تھا: ”حکم صرف خدا سے مخصوص ہے“، اسی

طرح اگر کوئی وہابی عقائد کی مخالفت کرتا تھا تو اس کو مشرک و کافر شمار کیا جاتا تھا بالکل ایسے ہی جیسے کہ خوارج اپنی جماعت کے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر شمار کرتے تھے۔ وہابی گروہ، مسلمانوں کو اس بہانہ سے قتل کرتا ہے کہ یہ لوگ مردوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں اور پیغمبر اسلام اور صالحین سے توسل اختیار کرتے ہیں، ان کی یہ رفتار خوارج کی کچھ فکری کی یاد دلاتی ہے۔

خوارج اپنے خیال خام کے مطابق: اتنی زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے کہ راستے میں پڑا ہوا ایک خرمہ بھی کھانے کو تیار نہیں تھے کہ کہیں اس کا مالک ناراض نہ ہو جائے! اسی طرح نبڑک پر ٹھلتے ہوئے خزیر (سور) کو بھی قتل نہیں کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا مالک صاحب کتاب ہو، لیکن یہی خوارج اتنے زیادہ گستاخ تھے کہ ایسے صحابی رسول کو بھی قربت کی نیت سے شہید کر دیتے تھے جو روزہ کے عالم میں اپنی گردن میں قرآن لٹکائے رہتا تھا، یہی سبب تھا کہ اس زمانہ کے مسلمان، خوارج کے مظالم کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے اسلام کو پہاں رکھتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم اہل کتاب ہیں۔ (۱)

یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مولا علیؑ کی مدح و شنا کرتا تھا تو اس کی گردن کو شمشیر برداں سے سلامی دی جاتی تھی۔

۱۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے خوارج سے ملاقات کی، خوارج نے ان سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ ان میں سے ایک ہوشیار انسان آگے بڑھ کر بولا: ہم اہل کتاب ہیں، ہم تمہاری پناہ میں آئے ہیں تاکہ کلام اللہ کو سن سکیں اور اپنے وطن میں تبلیغ کر سکیں، خوارج نے جواب دیا: تم امان میں ہو پھر انھیں کچھ قرآنی تعلیمات دیں اور چند افراد کو ان کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ انھیں ان کے وطن پہنچا کر آئیں۔ (السیرۃ الحلبیۃ: ج ۳، ص ۱۲۰)۔

اگر خوارج کو دیکھا جائے تو وہ بھی کفار و مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات کی بے جاتا ویلیں کر کے انھیں مسلمانوں کی طرف منسوب کرتے تھے، اس بارے میں عبد اللہ ابن عمر کا بیان ہے: ”خوارج، کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو دستاویز قرار دیتے ہوئے ان آیات کا مخاطب مومنین کو قرار دیتے تھے۔“ (۱)

ابن عباس سے مروی ہے: ”خوارج کی مانند نہ ہو جاؤ کہ وہ (کفار کے بارے میں نازل شدہ) آیات کو اہل قبلہ کے بارے میں تاویل کرتے تھے، خوارج نے آیات الٰہی میں غور و خوض نہیں کیا یہی سبب ہے کہ (مسلمانوں کا) ناحق خون بہایا اور ان کا مال و ممتاع تاراج کیا۔“ (۲)

دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کرے وہ مسلمان کہلاتا ہے اور اس کا خون، اس کی جان اور اس کا مال و ممتاع اسلام کی حفاظت میں ہے، اس کی تمام شرعی تکالیف بھی وہی ہیں جو ایک مسلمان کی ہوتی ہیں۔ اسلام نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ بال کی کھال نکالی جائے، یہ دیکھا جائے کہ اس کے دل میں بھی ایمان ہے یا فقط ظاہراً اسلام لایا ہے! شاید وہاںیوں نے اس اسلامی حکم پر غور نہیں کیا اور جو ان کے باطل افکار کو بقول نہ کرے اس کو کافر شمار کیا گویا انہوں نے اس آئیہ کریمہ کو فرموشی کی نذر کر دیا: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ یعنی اگر تم کسی سے صلح و آشنا کرنا چاہتے ہو تو اس کو یہ طعنہ مت دو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ (۳)

۱. صحیح بخاری: ج ۲، ص ۱۹۷۔

۲. کشف الارتیاب: ص ۱۲۳۔

۳. سورۃ نساء: ۹۳۔

وہابیت کا تقدیم جائزہ

روایت میں آیا ہے کہ خوارج، دین سے اس طرح خارج ہوتے ہیں جیسے کمان سے تیر۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ خوارج دین کی گھرائیوں میں ضرور اترتے ہیں لیکن کمان سے تیر کی مانند دین سے خارج ہو جاتے ہیں۔ (۱)

جب پیغمبر اسلامؐ سے ”نجد“ کے بارے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ”نجد، زلزلہ کی جگہ ہے، فتنہ بھی وہیں سے ابھرتے ہیں اور شیطانی امت بھی وہیں سے قیام کرتی ہے۔“ (۲)

ہمیں خوف ہے کہ نجد سے اٹھنے والا گروہ اور اس کے پیچھے چلنے والے گروہ کہیں اسی روایت کا مصدقہ ہوں۔

خداوند عالم سے یہ دعا ہے کہ پورا دگار! مسلمانوں کو آپؐ میں متصرف رہا، ان کے عزم کو دشمنوں کے مقابل محکم و مستحکم فرماء، ان کے قلوب کو نور اسلام سے منور فرماء اور ان کو زیادہ سے زیادہ درک کرنے کی صلاحیت مرحمت فرماء۔

ہمیں امید ہے کہ یہ فرقہ مناظرہ کی دعوت کو قبول کرے، شاید ان کے ذہنوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ جائیں، تعصّب کی عینک اتر جائے اور خدا انہیں نور بصیرت عنایت فرمائے، بے شک وہی توفیق دینے والا ہے۔

والسلام: نجم الدین طبسی



۱. مسند احمد: ج ۲، ص ۱۱۸۔ الجامع الصحیح: ج ۳، ص ۳۸۱۔

۲. مسند احمد: ج ۲، ص ۸۱۔ ج ۳، ص ۵۔



شفاعت کی درخواست

شفاعت کے بارے میں وہاپوں کا نظریہ

اگرچہ خداوند عالم نے پیغمبر، صالحین اور فرشتوں کے حق شفاعت کی خبر دی ہے لیکن وہاپوں کا نظریہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کی شفاعت جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے؛ وہابی فرقہ، خدا کے علاوہ کسی سے شفاعت طلب کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے اور ان کی جان اور مال و متاع کو مباح شمار کرتا ہے۔

شفاعت کے بارے میں چند اہل سنت کے نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

محمد بن عبد الوہاب:

”اگر شفاعت طلب کرنے والوں کا منظور نظر یہی ہو کہ پیغمبروں، ملائکہ اور اولیاء سے شفاعت طلب کر کے خدا تک پہنچیں تو یہ وہی چیز ہے کہ جس کے ذریعہ ان کی جان اور ان کا مال مباح ہو جاتا ہے۔“

محمد ابن عبد الوہاب کے قول پر تقدیم:

محمد ابن عبد الوہاب کا یہ نظریہ وہی ہے جو عینہ ابن تیمیہ کا نظریہ ہے: پیغمبر اکرم نے ان لوگوں سے جنگ کی جو بتوں سے شفاعت طلب کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ انھیں خدا سے بخشوائیں، لہذا اگر کوئی دیندار شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو درحقیقت وہ بھی انھیں کفار کے عقیدہ پر قائم ہے، کیونکہ اس زمانہ کے کفار کا بھی یہی نظریہ تھا کہ ﴿مَانَعْبُدُ هُمُ إِلَّا لِيُقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفِي﴾ یعنی ہم ان کی پرسش صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ یہ میں خدا سے نزدیک کر دیں۔ (۱)

شفاعت کا معنی

”شفع“ جوڑے کے معنی میں اور ”وتر“ منفرد اور فرد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ شفاعت، کلمہ شفع سے مشتق ہے، درحقیقت شفع کی شفاعت مجبور کے حق میں ہوتی ہے جس کے سبب اس کے ناقص کام کامل ہو جاتے ہیں اور شفیع کی ہمراہی اسے اس منزل پر پہنچادیتی ہے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر لے۔

۱. سورہ زمر / ۳.

شفاعت سے فائدہ اٹھانا

اگر انسان اعلیٰ درجہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق ایڑی چوٹی کا زور لگائے، وسائل و اسباب فراہم کرے تاکہ شفاعت بھی فائدہ مند ثابت ہو، شفاعت صرف اسی وقت میسر ہوتی ہے جب انسان اپنی بلندی کے لئے خود کو شش کرے اور مقصد حاصل نہ کر سکے، شفاعت اس کے ناقص کام کو کامل کر دیتی ہے اور اسے حقیقی کمال تک پہنچادیتی ہے، اس لئے تہا شفاعت مستقل کمال کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ انسان کو کمال تک پہنچانے میں کمال کا کردار ادا کرتی ہے۔

شفع کا کردار

سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ شفاعت میں شفع کا کردار ولاستِ الہی یا بندے کی عبودیت کو کم رنگ کرنا نہیں ہے؛ اسی طرح شفاعت کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ جو حکمِ الہی بندہ کے لئے نازل ہوا ہے اس سے باقہ کھیچ لیا جائے! بلکہ شفع کا کام یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کے بعض اوصاف سے تمسک اختیار کرتا ہے، مثلاً کرم، بزرگی وغیرہ جو گنہگار کی بخشش کا سبب قرار پاتے ہیں یا یہ کہ شفع، بندہ کے اوصاف کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، گویا شفع خداوند عالم سے یہ عرض کرتا ہے: ”اے معبدو! یہ تیرا بندہ حق کا حامی ہے، تیری مرضی کا خواہاں ہے، تیرے دوستوں کا دوست ہے، اس کا دل ٹوٹا ہوا ہے اور اپنے کئے پر نادم ہے“ تاکہ ان فقروں کے ذریعہ خداوند عالم وجود میں آجائے اور اپنے گنہگار بندہ کو معاف کر دے۔ دوسری جانب سے شفع جو مقام خداوند عالم کے نزدیک رکھتا ہے اس کے وسیلہ سے خداوند عالم سے انتباہ کرتا ہے کہ جس کی میں شفاعت کر رہا ہوں اس کے گناہوں کو بخشن دے! گویا شفع کہتا ہے: ”اے میرے پروردگار!

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

میں تجھ سے نہیں چاہتا کہ تو اپنی خدائی کو بھول جایا سزا کے قانون کو باطل کر دے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی بزرگی و رحمت کے پیش نظر، اس کی نادانی سمجھتے ہوئے اور میری منزلت کی خاطر اس عبد حقیر کی خطاؤں سے در گذر فرماء! ”۔ اس بنابر حقيقة شفاعت، عبد و معبود کے درمیان صرف شفیع کا واسطہ اور سیلہ قرار پانا ہے جو بندہ کو شفیع پہنچائے یا اس کے ضرر کا خاتمه کرے اس طرح سے کہ شفاعت کا پلڑا عذاب الہی سے وزنی ہو جائے نہ کہ شفاعت اور عذاب الہی میں تضاد پیدا ہو جائے۔

اگر مذکورہ بالامطالب کی اس طرح تعبیر کی جائے تو شاید بہتر ہو: ”شفیع، پروردگار کی بارگاہ میں بعض ایسے اسباب کا خاتمه کر دیتا ہے جو بندے کو عذاب الہی کا مستحق قرار دیتے ہیں، تاکہ جس کی شفاعت کی جاری ہے وہ عذاب الہی سے نجات حاصل کر لے اور خداوند عالم کے نزدیک مشمول رحمت الہی قرار پائے۔“

جس طرح خدا کے نزدیک بعض فرشتوں کو اذن خداوندی کے تحت شفاعت کا حق حاصل ہے اسی طرح اس کے بندوں کو بھی یہ حق حاصل ہے لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ انسان رحمت الہی کے زیر سایہ زندگی گزارے اور اپنی ذلت و تھارت کو توبہ کے وسیلہ سے نکیوں میں تبدیل کرے اور اپنی ذات کو گنہگاروں کی صفائی سے نکال کر صالح افراد کی صفائی میں شامل کرے، خداوند عالم ایسے بندے کے متعلق فرماتا ہے: ﴿فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ یعنی خداوند عالم ان کے گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے۔ (۱)

۱. سورہ فرقان / ۷۰۔

اس بنیاد پر خداوند عالم اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے بندہ کے گناہوں کو نیکوں میں تبدیل کر دے، جیسے کہ کل جمع پوچھی کا خاتمہ کر دیتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَقَدِمَنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنشُورًا﴾ یعنی ہم ان کے ان اعمال پر نظر کرتے ہیں جو انہوں نے انجام دیئے ہیں اور ان کے اعمال کو گرد و غبار کی مانند ہوا میں بکھیر دیتے ہیں۔ (۱)

شفاعت کرنے والے

شفاعت کی دو قسمیں ہیں: (الف) شفاعت تکوینی (ب) شفاعت تشریعی؛
شفاعت تکوینی میں تمام اسباب و عوامل وجودی ہوتے ہیں جو خدا اور موجودات کے درمیان واسطہ قرار پاتے ہیں لیکن شفاعت تشریعی مکلف سے مربوط ہوتی ہے۔
اس قسم کی بعض شفاعتیں اسی دنیا میں بندہ کی بخشش کا سبب قرار پاتی ہیں اور اس کو خداوند عالم سے نزدیک کر دیتی ہیں، اس تعریف کے مدنظر، شفاعت تشریعی میں شفیق، خدا اور بندہ کے درمیان واسطہ قرار پاتا ہے۔

دنیا میں شفاعت کرنے والے

ا۔ توبہ

توبہ کے متعلق خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ﴾ یعنی (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ اے

۱۔ سورہ فرقان / ۲۳ .

وہابیت کا تقیدی جائزہ

میرے بندو! تم نے اپنے اوپر اسraf اور ستم کیا ہے، تم رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہو کہ خداوند عالم تمام گناہوں کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے، اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آؤ۔ (۱) تو بہ تمام گناہوں کو بخششوادیتی ہے یہاں تک کہ شرک جیسے عظیم گناہ میں بھی متاثر ہوتی ہے۔

۲۔ ایمان

ایمان کے متعلق ارشادِ ربانی ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ آمُنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتُكُمْ كَفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَ يَجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَ يَغْفِرُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَمِيمٌ﴾ اے صاحبِ ایمان! تقوی اختیار کرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاوتا کہ اس کی رحمت تمہارے شامل حال ہو جائے اور تمہارے لئے ایک ایسا نور قرار دے جس کے ذریعہ تم راستے طے کر سکو اور وہ (خدا) تمہارے گناہوں کو بخش دے کہ خداوند عالم بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (۲)

۳۔ عمل صالح

اعمال صالح کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ خداوند عالم نے صاحبِ ایمان اور اعمال صالح انعام دینے والے افراد سے بخشش اور عظیم انعام کا وعدہ کیا ہے۔ (۳)

.۱۔ سورۃ زمر، ۵۲، ۵۳.

.۲۔ سورۃ حیدر، ۲۸.

.۳۔ سورۃ مائدہ، ۹۰.

۳۔ قرآن کریم

قرآن کریم کی شفاعت کے بارے میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے: ﴿یَهُدِیْ
بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبْلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
إِذَا دَعَاهُ وَيَهُدِبِيهِمْ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ﴾ یعنی خداوند عالم اس (قرآن) کی برکت
سے اطاعت کرنے والوں کی راہ سلامتی کی جانب ہدایت فرماتا ہے اور انھیں تاریکیوں
سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور راہ مستقیم کی جانب ہدایت فرماتا ہے۔ (۱)

۵۔ انبیاءے الہی

خداوند عالم اپنے پیغمبروں کے متعلق فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا
أَنفُسَهُمْ جَاؤُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ
تَوَآبَا رَحِيمًا﴾ یعنی اگر یہ ستمکروگ اپنی ذاتوں پر ستم کرتے تھے اور احکام و فرائیں
الہی کو پیروں تک روشن تھے پھر تو بہ کرتے تھے اور پیغمبر بھی ان کے لئے استغفار
کرتے تھے تو یہ لوگ خدا کو توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان پاتے تھے۔ (۲)

۶۔ فرشتے

فرشتوں کے متعلق خداوند منان ارشاد فرماتا ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ
وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ
آمَنُوا﴾ وہ فرشتے جو حمالان عرش الہی ہیں اور اس کا طواف کرتے ہوئے تسبیح و
تلہیل الہی انجام دیتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ صاحبان ایمان کے

۱۔ سورہ مائدہ ۱۲۰/۱۲۰

۲۔ سورہ نساء ۲۳/۲۳

لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔ (۱)

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَالْمُلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ فرشتے مسلسل اپنے پروردگار کی حمد و شکر تے رہتے ہیں اور اہل زمین کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں، آگاہ ہو جاؤ کہ خداوند عالم بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (۲)

کے مومنین

مومنین کی صفت یہ ہے کہ یہ اپنے لئے بھی بخشش طلب کرتے ہیں اور اپنے دینی بھائیوں کے لئے بھی۔ اس کے متعلق ارشاد پروردگار ہے: ﴿وَاعُفْ عَنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا﴾ ہمیں بخش دے، اپنی رحمت کے سامنے میں قرار دے کہ تو ہمارا سر پرست اور مولا ہے۔ (۳)

روز قیامت، شفاعت کرنے والے

۱۔ انیمیاء الہی

اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَانُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادُ مُكَرَّمُونَ ☆ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ☆ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَسْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ أَرْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشِيتِهِ مُشْفِقُونَ ☆ انہوں نے کہا کہ خداوند رحمن نے اپنے لئے ایک بیٹی کا

۱۔ سورہ غافر/۷۶۔

۲۔ سورہ شوری/۵۔

۳۔ سورہ بقرہ/۲۸۶۔

انتخاب کیا ہے، وہ (ایسے کاموں سے) مفتر ہ و مفتری ہے بلکہ اس کے نیک بندے ہیں، جو کبھی بھی اس کی مرضی کے خلاف نہیں چلتے اور ہمیشہ اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اپنے ماضی و مستقبل سے آگاہ ہیں اور وہ صرف انھیں کی شفاعت کرتے ہیں جس کی شفاعت خدا کو منظور ہوتی ہے اور اس کے خوف سے لرزہ بر انداز مرہتے ہیں۔ (۱)

۲۰۷

خداوند متعال فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَكُمْ مِنْ مَلِكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُعْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ آسمانوں کی بلندیوں پر بہت سے فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت، اللہ کی رضایت پر مشتمل ہے (کچھ فرشتوں کو خدا نے حق شفاعت دیا ہے)۔ (۲)

۳ شدای

شہداء کی شفاعت کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهَدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ یعنی جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں انھیں شفاعت کا حق حاصل نہیں سوائے ان افراد کے جنکوں نے حق کی شہادت دی اور وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ (۳)

اس آیت سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا کے نزدیک ان لوگوں کو شفاعت کا حق حاصل ہے جو حق کی شہادت دیتے ہیں لہذا ہر شہید شفاعت کرنے کا حق رکھتا ہے، اس

۱۔ سورہ انبیاء / ۲۸، ۲۲۔ ابن کثیر نے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ بروز قیامت سب سے بڑے شفیق، پیغمبر اسلام ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۵۲)۔

٣٦ / نجم، سه

۸۶ سهود خف

بنیاد پر اس آیت میں شہید سے مراد وہ شخص نہیں جو راہ خدا میں قتل ہوا ہو بلکہ شاہد اور گواہ کے معنی میں ہے۔

۳۔ مومنین

گذشتہ آیت سے مومنین کی شفاعت بھی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے یہ بروز قیامت مومنین، شہدا کی صفات میں ہوں گے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّلِيْقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی وہ لوگ جو خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے، وہ اپنے پروردگار کے نزدیک صدقیق اور شاہد ہیں۔ (۱)

۱۔ سورہ حیدر/ ۱۹۔ علامہ طباطبائی نے شفاعت کے سات اعتراضات کی جانب اشارہ کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیے ہیں جن میں سے چند اعتراضات اور جوابات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

پہلا اعتراض: اگر کسی مجرم اور گنہگار سے عذاب کو ہٹانا عدل ہے تو پھر کسی بندہ کو عذاب میں بیٹلا کرنا ظلم ہے اور اگر عذاب ظلم ہے تو بعض پیغمبروں نے اپنی امت کو عذاب میں بیٹلا ہونے کی بدوعما کیوں دی؟

جواب: عذاب کا خاتمه، حکم اول یا عقاب کے منافی نہیں ہے لہ عقاب کو ظلم شمار کیا جائے، بلکہ گنہگار کو عذاب کے مصادق سے خارج اور رحمت الہی میں شامل کرتا ہے۔

دوسرہ اعتراض: خداوند عالم کی سنت یہ ہے کہ اس کا حکم تبدیل نہیں ہوتا لیز الہ قانون سے کسی حکم کو کیسے الگ کیا جاسکتا ہے؟ اگر شفاعت کے ذریعہ گنہگار انسان کے عذاب میں کمی و اعلیٰ ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون الہی میں تبدیلی واقع ہو گئی! جب کہ یہ محل ہے اور غرض کے منافی ہے؟!

جواب: خداوند عالم فقط اسباب کے پیش نظر، حکم جاری فرماتا ہے، اس بنیاد پر اگر ایک سبب ایک حکم کا موجب قرار پائے جیسے کہ گناہ، عذاب کا سبب ہے۔ ممکن ہے کہ دیگر اسباب بھی موجود ہوں جو اس حکم کے خلاف ہوں مثلاً رحمت و رأفت۔ اور خداوند عالم کی رحمت اس کے عذاب پر سبقت رکھتی ہے۔

تیسرا اعتراض: عرف عام میں شفاعت کا تصور یہ ہے کہ جو حاکم نے قصد کیا ہے اس کو اس سے روکیں یا کم سے کم نظر ثانی کی اتنا کریں، اگر اسی مفہوم کو دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مغلوق، خالق کے امور میں دخل اندرازی کر رہی ہے جو محل ہے؟!

جواب: شفاعت، خداوند عالم کے علم وارادہ میں کسی طرح کی تبدیلی و نہیں کرتی بلکہ تبدیلی تو سرف مراد اور معلوم میں ہوتی ہے، یعنی خدا یا جانتا ہے کہ انسان پر مختلف حالات عارض ہوتے ہیں، ایک دن.....

یہاں اس بات کا تذکرہ لازم ہے کہ شفاعت، گنہگار انسان کی جانب سے شفعیٰ کی خدمت میں درخواست کا نام ہے، اس اعتبار سے پیغمبر یا کسی اور کسی شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ گنہگار کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا کرے یعنی شفعیٰ، گنہگار کے گناہوں کی بخشش اور اس کی حاجت پوری ہونے کی دعا کرتا ہے لہذا شفاعت ایک قسم کی دعا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نِصْيَبٌ مِنْهَا﴾ یعنی جو شخص امور خیر میں کسی کی شفاعت کرے تو اس میں خود اس کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ (۱)

.....انسان ایک حالت میں ہوتا ہے تو اسی مطابق، ارادہ الہی ہوتا ہے اور ت دوسرے دن دوسری حالت میں ہوتا ہے کہ اس دن پہلے دن والا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے ارادہ ہوتا ہے۔ خداوند عالم نے خود ہی فرمایا ہے: ﴿ہر روز اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے﴾ (سورہ رحمن ۲۹) دوسرے مقام پر فرماتا ہے: ﴿خدا جو چاہے ہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے کیونکہ کتاب اس کے ہاتھ میں ہے﴾ (سورہ رعد ۳۹)۔

چوچھا اعتراض: شفاعت کا وعدہ، انسان کی جسارت میں اضافہ کا باعث ہے، کیونکہ جب اسے شفاعت کا یقین ہوگا تو بلا جھجک گناہوں میں ملوث ہو سکتا ہے؟!

جب اول: یہ اعتراض، خداوند عالم کی رحمت کے خلاف ہے اور ان آیات کی خلاف ہے کہ جو عدا کے رحم و کرم کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ خداوند عالم، گنہگار انسان کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے سوائے شرک کے کہ جو توبہ کے ذریعہ لا حق بخشش ہے۔

جب دوم: شفاعت کا وجود جسارت کا سبب صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب شفاعت ہونے والے کا نام و نشان معلوم ہو یا اس گناہ کا علم ہو جس کے متعلق شفاعت ہوئی ہے! اور دوسری بات یہ کہ شفاعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کامیابی میں سو فیصد کردار ادا کرے بلکہ اگر قبولیت کی راہ میں کچھ بکری رہ گئے ہوں تو ان نمبروں کو شفاعت کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے نہ یہ کہ زیر و کو سو نمبر سے تبدیل کر دیا جائے! کیونکہ اسی شفاعت کا کوئی سی روایت میں تذکرہ نہیں ہوا ہے جو سو فیصد کردار ادا کرے۔ (تفہیم المیز ان: طباطبائی، ج ۱، ص ۱۶۸)

۱. سورہ نساء، ۸۵.

فخر رازی، ابن مقاتل سے نقل کرتے ہوئے اس آیت کے بارے میں رقمطراز ہیں: ”شفاعت، بارگاہ خداوندی میں دعا کرنا ہے، اس کی دلیل پیغمبر اسلام کی یہ روایت ہے: ابو درداء سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرے تو اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور فرشتہ الہی دونوں کے لئے وہی دعا کرتا ہے“۔^(۱)

اس بنابرکہ سے شفاعت طلب کرنا یعنی اپنے لئے دعا کی انجام کرنا ہے اور دعا کی انجام ہر مؤمن سے کر سکتے ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب بھی زندہ سے دعا کی انجام کو جائز شمار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی سے دعا کی درخواست کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

اس اعتبار سے ہر مؤمن سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے لہذا انبیاء الہی اور صالحین، بالخصوص پیغمبر اکرم سے شفاعت طلب کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

شاید کوئی شخص یہ تصور کرے کہ شفاعت صرف اسی کی قبول ہو گی جو خداوند عالم کے نزدیک ”والامقام“ ہوگا! تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہر وہ مؤمن جس کی دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوتی ہے وہ خداوند عالم کے نزدیک بلند مقام کا حامل ہوتا ہے^(۲)؛ دوسرا جانب سے شفاعت صرف انبیاء الہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خداوند عالم نے تمام مؤمنوں اور فرشتوں کو حق شفاعت سے نوازا ہے۔

۱. التفسیر الكبير: ج ۱۰، ص ۲۰۷۔

۲. اسلامی سے منقول ہے: پیغمبر اسلام نے کعبہ سے خطاب فرمایا: خداوند عالم کے نزدیک تجھ سے زیادہ قابل احترام کوئی شہنشہ نہیں ہے لیکن مؤمن کی عظمت تجھ سے بلند و بالا ہے۔

فرشتوں کی شفاعت

فرشتوں کی شفاعت کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسَعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعَلِمَّا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِيمُ عَذَابِ الْجَحِيمِ★ رَبَّنَا وَأَذْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنَ الَّتِي وَعَذْنَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ★ وَقِيمُ السَّيِّئَاتِ﴾ وہ فرشتے جو حمالان عرش الہی ہیں اور خدا کی شیخ و تملیں میں مشغول رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ مؤمنین کی لئے طلب مغفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: پرو دگار! تیرا علم تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے! لہذا جنمیوں نے تو بکی اور تیرے راستے پر گامزن ہوئے ان کی مغفرت فرماؤ! انھیں عذاب دوزخ سے نجات عطا فرماء، پانے والے! انھیں ان بہشتی باغوں میں داخل فرمائیں یا غوں کا وعدہ تو نے ان سے کیا ہے، اسی طرح ان کے نیک والدین، بیویوں اور اولاد کو باغ بہشت کی سیر کرادے، یقیناً تو صاحب قدرت و صاحب حکمت ہے، ان سب کو برائیوں سے دور کھ!۔ (۱)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر کبیر فخر رازی لکھتے ہیں: ”ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتوں کی شفاعت کرتے ہیں، لہذا جس طرح پیغمبر اور دیگر انبیاء الہی اذن خداوندی کے تحت شفاعت کا حق رکھتے ہیں اسی طرح فرشتے بھی شفاعت کا حق رکھتے ہیں، خداوند عالم نے اپنے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

. ۹۔ سورہ غافر/۷۶

﴿وَاسْتَغْفِرُ لِذَنْكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ یعنی (اے پیغمبر!) اپنے گناہوں اور مونین و مونمات کے گناہوں کی بابت استغفار طلب کرو (۱)؛ اسی طرح قرآن کریم نے جناب نوحؐ کے فرمان کو نقل کیا ہے کہ آپؐ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مَوْمَنًا وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ پروردگار! مجھے، میرے والدین کو، جو لوگ ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے انھیں اور تمام مونین و مونمات کو بخش دے۔ (۲)

یہ تمام چیزیں اس بات کی گواہ ہیں کہ شفاعت، دعا اور طلب مغفرت کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔

حجر اسود کی شفاعت

مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہما السلام حجر اسود کی شفاعت کے متعلق فرماتے ہیں: ”اس پتھر (حجر اسود) کو اپنے اعمال کا گواہ قرار دو، کیونکہ یہ پتھر بروز قیامت، شفاعت کرنے والا ہوگا اور اس کی شفاعت قبول ہوگی! یہ پتھر زبان و لب کا مالک ہے اور جو شخص اس کو مس کرے گا یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔“ (۳)

ابن عیم نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ”یہ روایت، صحیح ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مولائی کا ہی قول ہے۔“

اہل سنت کے بزرگ دانشور ”عزیزی“ کا بیان ہے: ”مولائی کے اس فقرہ (گواہ بناؤ) کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک اعمال تم حجر اسود کے نزدیک انجام دوان

۱. سورہ محمد / ۱۹.

۲. سورہ نوح / ۲۸.

۳. کنز العمال: متنقی هندی، ج ۱۲، ص ۷۶، ح ۳۲۷۳۹. جامع الصغیر: سیوطی، ص ۲۲۵.

اعمال پر جھر اسود کو گواہ بناؤ، مثلاً اس کو چھوڑنا، چونا، اس کے کنارے دعا کرنا اور ذکر الٰہی میں مصروف رہنا۔^(۱)

عزیزی آگے بیان کرتے ہیں: ”وہ شفیع ہو گا یعنی جو اس کو اپنے اعمال پر گواہ بنائے گا یا اس کی شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قول کی جائے گی۔^(۲)

اس بنا پر اس روایت میں گواہ بنانا، یعنی شفاعت کی درخواست کرنا ہے، اگرچہ یہ پھر کا نکٹرا عقل و شعور سے عاری ہے لیکن ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کو اپنے اعمال پر گواہ بنائیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس عمل کو شرک بھی نہیں کہا گیا ہے۔ لہذا اگر اس پھر کو اپنے اعمال کا گواہ بنانا شرک کہلانے تو اس کا حکم اس کے شرک کہلانے کو ختم کر دے گا کیونکہ حکم ہوا ہے کہ اس کو گواہ بناؤ کیونکہ حکم، اصل موضوع کو تبدیل نہیں کرتا؛ نتیجہ یہ ہوا کہ شفاعت و دعا ایک ہی شے ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی شفاعت چاہے تو یقیناً اس کی شفاعت بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ حاصل کر لے گی! لیکن ہاں! یہ خداوند عالم کا لطف و کرم ہے کہ وہ دعا اور شفاعت کو قبولیت کا درجہ عنایت فرمائے۔

مُردوں کی شفاعت

ابن تیمیہ نے مُردوں سے شفاعت طلب کو بدعت شمار کیا ہے، اسی طرح محمد بن عبد الوہاب اور صنعاوی بھی معتقد ہیں کہ مُردوں سے شفاعت طلب کرنا کفر اور شرک ہے۔ اس بارے میں ابن تیمیہ کا بیان ہے: ”انیاۓ الٰہی، صالحین اور دیگر مُردوں سے شفاعت طلب کرنے کا کوئی جواہر نہیں ہے کہ ہم مُردوں سے خطاب کر کے کہیں:

.....
۲. ايضاً.

۱. فیض القدیر: ج ۱، ص ۵۲۷۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

ہمارے لئے دعا کرنا؛ یا ہمارے لئے خدا سے درخواست کرنا؛ کسی صاحبی یا تابعی نے ایسی بات نہیں کی ہے، اہل سنت کے کسی بھی پیشوں نے ایسا حکم نہیں دیا؛ اسی طرح کوئی روایت و حدیث بھی ہم نے نہیں دیکھی جس میں مردوں سے شفاعت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہوا!“۔

ہم ابن تیمیہ کو جواب دیں گے: ”کیا مردوں سے شفاعت طلب کرنے کی حرمت کی دلیل یہ ہے کہ وہ ہمارے درمیان سے چلے گئے ہیں اور ہم ان سے رابطہ برقرار نہیں کر سکتے لہذا ان سے شفاعت طلب کریں؟ اگر ایسا ہی ہے تو یہ کہنا ہو گا کہ پیغمبر اکرمؐ اور دیگر انبیاء الہی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور ہماری باقتوں کو سنتے ہیں اور جواب بھی دینتے ہیں، جو ان کو سلام کیا جاتا ہے ان تک پہنچتا ہے، انبیاء الہی کا علم وفات کے بعد حیات کی مانند ہے۔ دوسرا جانب سے آنحضرتؐ کی امت کے تمام اعمال آپؐ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اور آپؐ اپنی امت کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں“ (۱)؛ علم کلام کے تمام علماء اور دانشوروں نے اس موضوع کی صراحة کی ہے اور اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی اخروی حیات

علم کلام کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرمؐ، وفات کے بعد بھی زندہ ہیں، اس بارے میں سہودی (۲) کا بیان ہے:

۱. محاسبۃ النفس: ص ۱۸، ب ۳. کشف الارتیاب: ص ۷۱۔

۲۔ نور الدین علی ابن احمد سہودی: مدینہ کے رہنے والے عالم، مفتی، مدرس، مورخ اور مذہب شافعی کے پیشوں تھے، آپ ماہ مفر ۸۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۰۶ھ میں وفات پائی، آپ علوم قرآن، فتنہ اور حدیث کے امام تھے، مناظرہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ (شذرات الذہب: ابن عمار حنبلی، ج ۸، ص ۵۵۔ الضوء الملاع: سخاوی، ج ۵، ص ۲۲۵)۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اسلام، اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اسی طرح دیگر انبیاءؐ الہی بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی حیات ان شہداء سے افضل ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوا ہے، ہمارے پیغمبر تمام شہیدوں کے سرور و سردار ہیں اور شہیدوں کے اعمال آنحضرتؐ کی میزان میں تو لے جائیں گے۔ پیغمبر اسلام نے خود فرمایا ہے: میری وفات کے بعد بھی میرا علم ویسا ہی ہے جیسا میری حیات میں“ اس روایت کو منذری نے نقل کیا ہے۔

ابن عدری نے اپنی کتاب ”کامل“ میں ابن ثابت سے اور انھوں نے انس سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”انبیاءؐ الہی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔“ ابو یعلی نے اس روایت کو مؤثث شمار کیا ہے اور یہ حقیقت نے صحیح قرار دیتے ہوئے نقل کیا ہے۔ (۱)

یہ حقیقت کا بیان ہے: ”انبیاءؐ الہی کی حیات بعد از وفات کے متعلق کئی احادیث موجود ہیں۔“ وہ پیغمبر اکرمؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: ”میں (پیغمبر) شبِ معراج، موئی کے پاس سے گزر، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے۔“ اس کے بعد انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کی کئی احادیث نقل کیں، جن میں یہ ثابت کیا گیا کہ آپ دیگر پیغمبروں کے مزارات مقدسہ کے کنارے سے گزرے اور انھیں نماز میں مشغول پایا اور آپ نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔

منذری کی مانند، ابن ماجہ نے بھی صحیح حدیث کو ابو درداء سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”بروز جمعہ، میرے اوپر زیادہ سے زیادہ صلوٹ

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۳۲۹۔

بھیجو کیونکہ یہ درود فرشتوں کی نگاہوں کا محور رہتا ہے اور وہ اس درود کے شاہدر ہے ہیں، اس روز جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے، اس کے خاموش ہوتے ہی وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

ابودرداء نے آنحضرت سے سوال کیا: ”وفات کے بعد بھی؟ آپ نے جواب دیا: ہاں! میری حیات کے بعد بھی؛ خداوند عالم نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیائے الٰہی کے اجسام طاہرہ کو بوسیدہ کرے! لہذا تمام انبیائے الٰہی زندہ ہیں اور خالق کی جانب سے رزق پاتے ہیں۔“

باز نے ابن مسعود سے ایک مؤثث روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا: ”خداوند عالم نے کچھ فرشتوں کو کائنات کا دورہ کرنے پر مأمور کیا ہے، وہ فرشتے میری امت کے اعمال میرے سامنے پیش کرتے ہیں،“

دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا: ”میری حیات تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ میں تم سے گفتگو کرتا ہوں، اسی طرح میری وفات بھی تمہارے حق میں خیر ہے کیونکہ تمہارے تمام اعمال میرے سامنے پیش ہوتے ہیں، اگر میں تمہاری جانب سے اچھے اعمال دیکھتا ہوں تو شکر خدا بجالاتا ہوں اور اگر برے اعمال دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے بخشش طلب کرتا ہوں۔“

ابو منصور بغدادی کا بیان ہے: ”ہمارے علمائے علم کلام فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر ”محمدؐ“ اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں، اپنی امت کی اطاعت دیکھ کر خوشحال ہوتے ہیں؛ انبیائے الٰہی کے اجسام طاہرہ کبھی بھی بوسیدہ نہیں ہوتے۔“

بیہقی نے کتاب الاعقاد میں تحریر کیا ہے: ”انبیائے الٰہی کی روح قبض کرنے کے بعد دوبارہ ان کے جسموں میں پلٹا دی جاتی ہے، وہ بھی شہیدوں کی مانند اپنے

پروردگار کے نزدیک زندہ رہتے ہیں، ہمارے پیغمبرؐ نے کچھ انبیاء کی زندگی کا شب
معراج بھی مشاہدہ کیا ہے۔^(۱)

بیہقی نے یہ بھی لکھا ہے: ”هم نے انبیائے الٰہی کی حیات بعد از وفات کے
متعلق مستقل کتاب تالیف کی ہے۔“

سمہودی رقمطراز ہیں: ”پیغمبر اسلام نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام جب
حج کے ارادہ سے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے اور مجھے سلام کرتے تھے تو میں
ان کا جواب ضرور دیتا تھا۔“

وہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان ولائل کی بنیاد پر، پیغمبرؐ کا بدنا
زندگی کی مانند ہی رہتا ہے لیکن خوارک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اس دنیا پر مکمل
سلطان اور ناظر ہیں، سماودی نے یہ روایت کتاب الوفاء میں بھی نقل کی ہے۔^(۲)
قطلانی کا بیان ہے: ”انبیائے الٰہی کی حیات بعد از وفات ثابت ہے، نیز
پیغمبرؐ کرم دیگر انبیاء سے بلند مقام کے حامل ہیں، اس بنی اپآپ کی حیات بھی دیگر
انبیاء سے کامل ترین حیات ہے۔^(۳)

علماء کے صریح نظریات اور اہلسنت کی معتبر کتابوں سے مفقول صحیح روایات
اس بات کا منہج بولتا شاہکار ہیں کہ انبیائے الٰہی اور صالحین سے شفاعت طلب کرنا

۱۔ پیغمبرؐ کرم سے روایت ہے: میں شب معراج جب موسیٰ کی قبر کے نزدیک سے گزار تو ان کو مجموعہ دست پایا؛
ان کی قبر شہر مدینہ میں ہے جو مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے۔ (سیر العلام النبیاء: ج ۱۶، ص ۹۹۔ صحیح
مسلم: ج ۲، ص ۲۵۷۔ سنن نسائی: ج ۳، ص ۲۱۶۔ مسنونہ مدنی حنبل: ج ۳، ص ۱۳۸)

۲۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۹۔

۳۔ المواهیں اللدنیۃ: ج ۳، ص ۳۱۹۔

بدعت، کفر اور شرک نہیں ہے بلکہ ابن تیمیہ اور اس کے پیر و کاروں کو ان کی کم علمی نے بدعت کا فتویٰ دینے پر مجبور کیا للہذا ان کے عقائد پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ خود ہی دیگر علماء کے نظریات میں غور و خوض کریں تو انھیں اپنی کم علمی کا احساس ہو جائے گا اور یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ ان کی دلیلیں بے بنیاد اور پوچ ہیں۔

پیغمبر ﷺ کی اخروی حیات کے متعلق علمائے کرام کے نظریات

علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ انسان وفات کے بعد حیات سے نواز جاتا ہے، اس کو ثابت کرنے کے لئے چند علماء کے اقوال کا تذکرہ کرنا مناسب ہے:

۱۔ ابو بکر عربی: اپنی کتاب ”الامد الاقصیٰ فی تفسیر الاسماء الحسنی“ میں گویا ہیں: ”اس بات پر علمائے اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام مکلفین، مرنے کے بعد قبر میں زندہ کئے جاتے ہیں اور ان سے سوالات کئے جاتے ہیں۔“ (۱)

۲۔ سیف الدین آمدی: اپنی کتاب ”ابکار الانکفار“ میں تحریر کرتے ہیں: ”گذشتہ امت مسلمہ اس بات پر متفق تھی کہ قبر میں ہر مکلف کو زندہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس موضوع کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت کا یہی اعتقاد تھا کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے۔“ (۲)

۳۔ سکی: تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں مردہ کو زندہ کیا جاتا ہے، امام الحرمین اپنی کتاب ”شامل“ میں لکھتے ہیں ”گذشتہ تمام امت مسلمہ کے نزدیک عذاب قبر، قبر میں مردوں کا زندہ ہونا اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام میں پلٹنا قابل

۱. شفاء السقام: ص ۲۰۳

۲. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۵۱

قبول تھا اور وہ ان چیزوں پر ایمان رکھتے تھے، سبکی نے اپنی تحریر میں علماء کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم میں دوبارہ روح پلاٹا دی جاتی ہے اور اس سے سوال و جواب کئے جاتے ہیں اور اسی وقت سے خدا کی نعمتوں کے حصار میں یا اس کے عذاب میں بیٹلا ہو جاتا ہے۔ (۱)

۲۔ ابن تیمیہ: اپنی کتاب ”اقتضاء الصراط المستقیم“ میں لکھتا ہے: ”اگر کوئی مسلمان شہیدوں کے مزارات پر حاضر ہوتا ہے یا مونین کی قبروں کے نزدیک جا کر انھیں سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچانتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔“

جب سہودی نے ابن تیمیہ کی یہ گفتگو سنی تو سوال کیا: ”مونین میں یہ طاقت ہے کہ مرنے کے بعد بھی سلام کا جواب دے سکیں! لیکن پیغمبروں کے سردار محمد مصطفیٰ میں اتنی طاقت نہیں!؟“ - (۲)

۵۔ امام غزالی: نقل کرتے ہیں: محمد بن واسع، ہرشب جمع قبروں پر جاتے تھے، ان سے سوال کیا گیا کہ کیا پیر کے دن نہیں جا سکتے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے یہ سنا ہے کہ جمرات، جمعہ اور سینپھر کے روز مردوں میں ایسی طاقت آجائی ہے کہ وہ اپنے زائروں کو پہچان لیتے ہیں۔ (۳)

اسی طرح شیخ منصور حیات بعد ازاوفات کے متعلق گویا ہیں: ”ابن عباس سے منقول ہے: ایک روز پیغمبر اکرمؐ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپؐ نے اپنارخ قبروں کی جانب کر کے فرمایا: اے الہل قبور! تم پر میر اسلام ہو، خداوند عالم میری اور تمہاری مغفرت

۲۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۵۔

۱۔ وفاء الوفاء: ص ۱۳۱۲۔

۳۔ ایضاً: ص ۱۳۱۲۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

فرمائے، تم ہم سے پہلے گزر گئے، ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔“ -
 شیخ منصور نے مزید بیان کیا: ”ترمذی نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے، انہوں نے حدیث کی شرح میں لکھا ہے: جو شخص قبرستان جائے تو مناسب ہے کہ اہل قبور کو سلام کرے، اپنے لئے اور مردوں کے لئے خلوص نیت سے دعا کرے، جی ہاں! ہمیں یہ حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ مردوں میں شعور ہوتا ہے؛ کیونکہ موت کا مطلب بطور کامل نابود ہونا نہیں ہے بلکہ نقل مکانی (ایک منزل سے دوسری منزل میں جانا) ہے۔ اگرچہ (ہماری ظاہری آنکھوں کے اعتبار سے) ان کے جسم ہمارے درمیان سے چلے جاتے ہیں لیکن روح زندہ رہتی ہے اور قیامت تک ثواب یا عذاب الٰہی کا احساس کرتی ہے۔“ (۱)

پیغمبر اسلام سے منقول ہے: ”سوئے اس کے کہ خداوند عالم میری روح کو میرے بدن میں واپس پلٹا دے۔“

اس قول کی توضیح میں شیخ منصور گویا ہیں: ”حضرتؐ کی مراد یہ ہے کہ وفات کے بعد جب تک روح نہیں پڑے گی تب تک گفتگو اور جواب سلام کا امکان نہیں ہے لیکن روح پلنے کے بعد یہ ممکن ہے، ورنہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ انیاۓ الٰہی اپنی قبروں میں بھی زندہ رہتے ہیں۔“ (۲)

پیغمبر اسلام نے دوسرے مقام پر فرمایا: ”روز جمعہ، تمہارے لئے بہترین روز ہے، اس روز آدمؐ کو خلق کیا گیا، اسی دن آدمؐ دنیا سے گزرے، آدمؐ کے جسم میں روح بھی اس روز پھوکی گئی، لہذا اس روز میرے اوپر بہت زیادہ درود بھیجو کہ اس روز کا درود

۱. الناج الجامع لللاصول: ج ۱، ص ۳۸۱

۲. الناج الجامع لللاصول: ج ۱، ص ۲۹۱

میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔ سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! آخر آپ کی وفات کے بعد آپ تک درود وسلام کس طرح پہوچتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: خداوند عالم نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام طاہرہ کو بوسیدہ کرنے۔

شیخ منصور کہتے ہیں: ”اس روایت کو ابو داؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے؛ اور خود شیخ منصور اس کی توضیح میں لکھتے ہیں: حکم خداوندی کے تحت پیغمبر اسلام، درود کو سنتے ہیں اور خوشحال ہوتے ہیں کیونکہ آپ انی قبر میں زندہ ہیں، اور ان سے بھی خوش ہوتے ہیں جو آپ پر درود بھیجا ہے، جس روز درود بھیجا جاتا ہے۔ اس روز خود درود بھیجنے والے کا مرتبہ اور رسول اسلام کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ فرشتگان الہی، ان کی امت کے اعمال اور تحفہ درود کو ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں“۔ (۱)

شافعی اور ابن ماجہ نے بھی عبد اللہ بن ابی عوفی سے روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”روز جمعہ، میرے اوپر بہت زیادہ درود پڑھو، بے شک تمہارے پڑھے ہوئے تمام درود مجھ تک پہوچتے ہیں اور میں سنتا ہوں“۔ (۲)

ایک اہم سوال

پیغمبر کے اس فرمان ”سوائے اس کے کہ خدامیرے جسم میں میری روح کو اپس پلٹا دے“ کو دیکھتے ہوئے ایک اہم سوال سراٹھاتا ہے کہ: ”کیا روایت کا یہ مفہوم ہے کہ موت کے بعد حیات کا وجود نہیں؟“۔

۱. الناج الجامع للاصول: ج ۱، ص ۲۹۲.

۲. ايضاً.

اس سوال کے دو جواب دینے جاسکتے ہیں:

پہلا جواب: ”پیغمبر اسلام کی روح مطہر، اس دنیا سے زیادہ اُس دنیا میں والا مقام کی حامل ہے، لہذا اگر کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کی روح اُس جہان سے اس جہان میں اس کا جواب دیتی ہے، یادوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا جائے کہ حضرتؐ کی نظر اتفاقات ابھی بھی اس جہانِ فانی کی جانب باقی ہے، اس اعتبار سے شاید روح کی واپسی کا معنی معنویت کا حامل ہے جیسا کہ بکلی نے بھی بیان کیا ہے۔“

دوسرा جواب: ”شاید یہ روایت، مخاطب کی فکر کے مطابق اس دنیا سے ماوراء (دوسری دنیا) کے بارے میں بیان ہوئی ہے، اس طرح روح کو جواب دینے کے لئے جسم میں آنا ہی پڑے گا، گویا پیغمبر اسلام فرمانا چاہتے ہیں کہ میں بطور کامل سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔“

اسی طرح یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روح فقط ایک مرتبہ سلام کا جواب دینے کے لئے جسم میں پلٹائی جاتی ہے نہ کہ ہر بار سلام کا جواب دینے کے لئے، کہ ہر بار روح کو قبض کیا جائے اور ہر بار سلام کا جواب دینے کے لئے جسم میں پلٹایا جائے! کوئی بھی اس بات کا معتقد نہیں ہے کہ ہر بار روح قبض ہو اور ہر بار سلام کے لئے جسم میں پلٹائی جائے، کیونکہ اس اعتبار سے کمی بار موت و حیات کا تصور وجود میں آتا ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ فقط خدا ہی نہیں بلکہ تمام مردوں میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہماری گفتگو کو وہ سن سکیں، دوسری جانب سے سنت میں یہ بیان ہوا ہے کہ وفات کے بعد ہر مردہ کی روح قبر میں اس کے جسم میں پلٹادی جاتی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ موت کا کوئی تصور نہیں ہے، اسی طرح سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ قبر میں آرام

اور اضطراب کا وجود ہے جسے مردہ محسوس کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ آرام و آسائش اور عذاب و اذیت کا احساس زندگی سے مربوط ہوتا ہے، یہ احساس صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو زندہ ہو چاہے حیات جزئی ہی کیوں نہ ہو؛ لہذا ہم معتزلہ کے خلاف، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فہم و ادارک کو جزئی حیات کے ذریعہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ (۱)

اب ابن تیمیہ کی گفتگو کی جانب ملتے ہیں جو انبیاءَ اللہی سے شفاعت طلب کرنے کو جائز نہیں جانتا اور کہتا ہے کہ اس طرح کی درخواست، مردہ سے شفاعت طلب کرنے کی مانند ہے؛ لیکن روایات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاءَ اللہی اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا مردہ سے شفاعت طلب کرنا نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے شہید کو زندہ فرادریا ہے: ﴿بَلْ أَحَيَّ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی وہ اپنے پروردگار کے زندیک زندہ ہیں۔ (۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاءَ اللہی کا مرتبہ، شہداء کے مرتبہ سے بلند ہے! یہاں تک کہ علماء کے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے (۳)؛ ظاہر سی بات ہے کہ جب شہداء زندہ ہیں تو جوان سے بالاتر مقام کے حاصل (انبیاءَ اللہی) ہیں وہ توبدرجہ اولیٰ زندہ ہیں!

بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے: ”انبیاءَ اللہی کی روح قبض ہونے کے بعد ان کے اجسام ظاہرہ میں واپس پلٹا دی جاتی ہے اور وہ شہیدوں کی مانند پروردگار کے زندیک زندہ رہتے ہیں“۔ (۴)

۱. سورہ آل عمران / ۱۶۹ .

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۵۵ .

۲. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۵۵ .

۲. کنز العمال: ج ۱۰، ص ۱۲۱ .

ان تمام دلائل سے غض نظر، اگر یہ بھی فرض کیا جائے کہ مردہ کچھ نہیں سنتا اور وہ ہمارے لئے دعا بھی نہیں کر سکتا پھر بھی مردہ سے دعا کی درخواست کرنا کوئی عیب نہیں ہے اور عمل انسان کو کفر کے زمرہ میں قرار نہیں دیتا کیونکہ اس التجا کی مثال اس جیسی ہے کہ کسی نایبینا سے کہیں کہ فلاں چیز اٹھادا اور تمیں اس کی نایبینائی کا علم نہ ہو، کیا نایبینا سے کوئی چیز چاہنا انسان کو کافر بنادے گا!؟۔

اسی طرح ابن تیمیہ کو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ وفات پیغمبر اسلام کے بعد صحابہ اور دیگر افراد نے آنحضرت سے شفاعت، استغاثہ اور دعا کی درخواست کی ہے۔ نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام سے طلب کرتے تھے بلکہ پیغمبر اسلام کے علاوہ دیگر صالحین سے بھی تمسک اختیار کرتے تھے! لہذا ان کا یہ عمل شفاعت کے جواز کا ثبوت ہے۔ آخری بات جوابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کے لئے اہم ہے وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے اور روح سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے، فخر رازی اپنی تفسیر ”تفسیر کبیر“ میں ﴿فَلِ الرُّوحِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ یعنی (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم کی تابع ہے (۱) کے ذیل میں سترہ دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ جوموت کے بعد روح کی بقا کو ثابت کرتی ہیں، ان میں سے چند دلیلوں کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے:

پہلی دلیل: پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”تشیع جنازہ کے وقت، روح جسم کے اوپر اور پرواز کرتی رہتی ہے اور کہتی ہے: اے میرے بچو! اے میرے اہل خاندان! جس طرح دنیا نے میرے ساتھ کھلوڑ کیا اس طرح وہ تم سے کھلوڑنہ کرنے پائے۔“

اس روایت کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مردہ جنم کو قبرستان کی جانب لے جاتے ہیں اس وقت انسان زندہ ہوتا ہے اور سب کچھ سمجھتا ہے۔

دوسری دلیل: خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَةُ☆ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَةً﴾ اُنْفُس مطمئنہ! اپنے معبدوں کی جانب پلٹ آ، اس حال میں کہ تیرارب تھھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ (۱)

آیہ کریمہ کے پیش نظر، موت کے بعد جو چیز خدا کی جانب پلٹے وہ زندہ ہے، اس سے خدا راضی اور وہ خدا سے راضی، جو خشنودی کے عالم میں اپنے معبدوں کی جانب پلٹتا ہے وہ انسان ہی ہے لہذا اننان موت کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتا ہے۔

تیسرا دلیل: پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: ”انبیائے الٰی مرتے نہیں بلکہ ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب منتقل ہوتے ہیں“ نیز آپ نے فرمایا: ”جومرجائے اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے“ نیز آپ نے فرمایا: ”قبر، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے“ (۲)

بہر حال حضور اکرمؐ کے مبارک اقوال سے سمجھ میں آتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

۱. سورہ فجر ۲۷، ۲۸۔

۲. یعنی اگر نیک انسان ہوگا تو اس کی قبر اس کے لئے باغ بہشت اور اگر بد خصلت، بد طینت اور بد اعمال ہوگا تو اس کے لئے جہنم کا گڑھ اقرار پاپی ہے۔ (متترجم)۔

چوتھی دلیل: ارشاد خداوند منان ہے: ﴿ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمُوْثِ
تَوَفَّتُهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يَفْرُطُونَ ☆ ثُمَّ رُدُوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ﴾
یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کوموت آدبو چے، ہمارے فرستادہ اس کی روح
قبض کرتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر بھی کوتا ہی نہیں کرتے پھر اپنے حقیقی پروردگار
کی جانب پلٹ جاتے ہیں۔

اس آئیکریمہ کی بنیاد پر مردے اپنے پروردگار کی جانب پلٹتے ہیں اور چونکہ
بے روح جسم خداوند عالم کی جانب نہیں پلٹ سکتا لہذا جسم کے علاوہ بھی کوئی ایسی
شے ہونی چاہئے جو پروردگار کی جانب پلٹے! (۱)

پانچویں دلیل: دنیا کے تمام فرقے مثلاً ہندی، رومی، عرب، عجم اور تمام ادیان
کے پیروکار مثلاً یہودی، عیسائی، ہندو، مسلمان اور آتش پرست سمجھی اپنے مردوں کی
جانب سے صدقہ نکالتے ہیں؛ ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور ان کی قبروں
کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اگر لوگ وفات کے بعد زندہ نہ ہوں تو ان کی
جانب سے صدقہ دینا، دعا کرنا اور ان کے مزارات کی زیارت کرنا وغیرہ بے ہودہ
کاموں کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری جانب سے تمام لوگوں کا ایک جیسے امور انعام دینا
مثلاً دعا، خیرات، زیارت وغیرہ اس بات کے گواہ ہیں کہ انسان کی حقیقت صرف
ایک میت یا جنازہ ہی نہیں بلکہ اس کی حقیقت اس کے علاوہ بھی ہے اور وہ حقیقت
کبھی نہیں مرتی، فقط انسانی جسم مرتا ہے۔ (۲)

۱. جسم کے علاوہ دوسری شے کا نام روح ہے اور یہی وہ شے ہے جو پروردگار کی جانب پلٹتی ہے۔ (مترجم).

۲. الفسیر الكبير: ج ۲۱، ص ۲۱.

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ انسانی فطرت اس بات کی متقاضی ہے کہ روح، موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے، اسی طرح آیات و روایات بھی دلالت کرتی ہیں کہ روح، موت کے بعد بھی باقی اور زندہ رہتی ہے۔

الہذا آیات، روایات اور فطرت انسانی کے پیش نظر روح زندہ رہتی ہے اور اس سے دعا کی التجا اور شفاقت طلب کی جاسکتی ہے۔ دوسری جانب سے ان امور کا انجام دینا نہ تو کسی بدعت کا سبب ہے اور نہ کفر و شرک کا باعث بلکہ اس طرح کی فکر فطرت کے تقاضہ پر عمل نہ کرنے اور آیات و روایات میں غور و خوض نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ اس کو بدعت قرار دیا جائے۔

روح کی بقا کے بارے میں سکلی کاظریہ

سکلی سے سوال کیا گیا: ”کیا جسم کی ماندروح بھی فنا ہو جاتی ہے؟“ سکلی نے جواب دیا: ”تمام علماء، حکماء، فلاسفہ، فقهاء اور انبیاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تمام شریعتیں اور ادیان قبول کرتے ہیں کہ روح باقی رہتی ہے، ہمارے نزد یہک ادیان کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، لیکن فخر الدین رازی اس بارے میں کہتے ہیں: اگر اس دنیا میں اعتبارات عقلی پر نظر کی جائے مثلاً روح کی بقا، تو یہ چیز سبب بنتی ہے کہ انسان کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ نفس، ہمیشہ زندہ اور باقی رہتا ہے۔“

ممکن ہے کہ کوئی فخر رازی کی تحریر سے یہ سمجھے کہ تمام انبیاء کا یہ نظر نہیں ہے کہ روح جسم سے نکلنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ فخر رازی کا یہ کہنا ہے کہ تمام انبیاء کا اجماع ہے کہ روح باقی رہتی ہے، الہذا ہم پر واجب ہے کہ اپنا عقیدہ پختہ کریں کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے۔ تمام

شریعتیں اور تمام ادیان بالخصوص آیات و روایات اس بات پر گواہ ہیں کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتی ہے اور اس میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے، کوئی مسلمان چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، اس بارے میں کسی فہم کا شک نہیں کرتا بلکہ تمام انسان اس بات کے معتقد ہیں کہ تمام مردے زندہ ہوتے ہیں۔

گذشتہ امت مسلمہ کی ایک جماعت نے بھی یہی اظہار خیال کیا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہیدوں کی فضیلت میں نازل ہونے والی آیت صرف شہیدوں سے ہی مخصوص نہیں ہے (۱)؛ بلکہ اس آیت سے مراد کافروں کی باتوں کی تردید ہے، کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ انسان مرنے کے بعد بالکل نابود ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

البتہ مردوں کی حیات کے درجات میں فرق ہے، مثلاً سب سے بلند مرتبہ راہ خدا میں عروں شہادت سے بغلیگر ہونے والے کا ہے، جو مومن شہید نہیں ہو اس کا مرتبہ شہید سے کم ہے، اور کفار کا درجہ سب سے پست ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ تمام مردے حیات پاتے ہیں یہ بات الگ ہے کہ بعض اجسام بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور بعض تر و تازہ رہتے ہیں لیکن روح ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ ہی دین اسلام کا نظریہ ہے، جب ہم آیات و روایات میں غور و خوض کرتے ہیں تو بحسن و خوبی موضوع روشن ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ شریعت کے اہم مسائل میں سے ہے۔ (۲)

۱. جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں ان کو مردہ گمان نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی جانب

سے رزق پاتے ہیں۔ (سورہ بقرہ ۱۵۳، ص ۲)۔

آیات و روایات کی روشنی میں ہم نے ثابت کیا کہ ان بیانے الہی کی ارواح مقدسہ، اولیاء خدا، صالحین اور دیگر ارواح باحیات ہوتی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جب تمام ارواح زندہ ہیں تو زندہ ارواح سے تو سل اور شفاقت طلب کرنے والوں کو وہابی فرقہ کافر کیوں کہتا ہے؟۔

شاید اس کا سب سے اہم سبب ان کی نادانی اور آیات و روایات میں دقت نظری کا فقدان ہو! البتہ اگر ان کی جہالت، حقیقت سے چشم پوشی کرنے کے منظر ہو تو ان کا عذر قابل قبول ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے!۔

وہا بیوں کوہم شفاقت کے متعلق اپنا آخری جواب اس طرح دیتے ہیں: ”مردہ سنتا ہے یا نہیں! یہ نہ تو اصول دین میں سے ہے، نہ ہی ارکان دین میں سے، اور نہ ہی دین کے واجبات میں سے، کہ اگر کسی نے اس قانون کی مخالفت کر دی تو وہ زمرة اسلام سے خارج ہو گیا اور اس نے اسلام میں بدعت پھیلادی! بلکہ کتب صحاح و سنن میں کہا گیا ہے کہ ایسا شخص یا تو عقیدہ کے اعتبار سے کجر وی کاشکار ہو گیا ہے جسے اس کا اجر ملے گا یا اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے کہ اس صورت میں معدور ہے۔“ (۱)

.....
۱۔ صحیح بخاری: ج، ۹، ص ۹۳۔ صحیح مسلم: ج، ۵، ص ۱۳۱۔ یہ روایت شیعی اکتب میں نہیں آئی ہے اور اہل سنت کے علمائے رجال کے نزدیک بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کے سلسلہ سند میں عمرو عاص کاغلام کھی آتا ہے جو مجهول (☆) ہے اور اس روایت کی دوسرے سندی سلسلہ بھی مرسل (☆☆☆) ہیں۔ (عمدة القارى: ج ۲۵، ص ۲۷)۔

☆: مجهول: اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا نام و نسب معلوم نہ ہو۔ (متترجم)

☆☆☆: مرسل: اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے سلسلہ سے کچھ راوی غائب ہوں۔ (متترجم)

اس بنابر، ان جیسے (بقائے روح) نظریات و عقائد انسان کو مشرک یا کافر قرار نہیں دیتے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مفسر کبیر ”فخر رازی“ بھی کافر یا مشرک بلکہ دین میں بدعت پھیلانے والے شمار کئے جاتے (۱)؛ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ روح باتی رہتی ہے اور اسی سبب روح سے دعا، اس کی نذر، اس کے نام کا صدقہ دینا اور اس کی قبر کی زیارت وغیرہ انجام دی جاتی ہے؛ اسی طرح دیگر مفسروں نے اس آیہ کریمہ ﴿فَالْيُومَ نُنْجِيُكَ بِيَدِنَاكُ﴾ یعنی آج تمہارے بدن کو نجات دیں گے (۲)؛ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت سے صراحتاً واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کا نفس اس کے بدن کے علاوہ ہے۔ (۳)

روايات میں شفاعة

طولانی بحث کے سبب صرف دو روایتوں کو نقل کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے:
 پہلی روایت: انس سے منقول ہے ”میں نے رسول اسلام سے عرض کی کہ روز قیامت میری شفاعت کیجئے گا! آنحضرت نے میری درخواست کو قبول کیا اور فرمایا: میں تمہاری شفاعت کروں گا، میں نے پوچھا: آپ گوکھاں تلاش کروں؟ آپ نے جواب دیا: پل صراط کے کنارے“۔ (۴)

۱. فخر رازی: شہری (ایران) میں پیدا ہوئے، اصول دین میں اشعری اور فقہ میں شافعی مذهب تھے، امام فخر الدین رازی کے نام سے معروف ہوئے۔ (الکنی والالقب: ج ۳، ص ۱۳).

۲. سورہ یونس: ۹۲

۳. تفسیر المیزان: طباطبائی، ج ۰۱، ص ۱۲۱

۴. الجامع الصحيح: ج ۰۲، ص ۲۲۱، ح ۲۲۳۳

دوسری روایت: ”سود بن قارب، رسول اسلام کی خدمت میں آئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے شفاقت طلب کی: یا رسول اللہ! جس روز سود بن قارب کو کسی کی شفاقت فائدہ نہ پہنچائے تو آپ میری شفاقت فرمائیے گا۔“ (۱)

صحابہ کرام کی سیرت میں شفاقت کی درخواست

اس حصہ میں چند روایات بیان کریں گے جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت میں بھی شفاقت طلبی کا وجود پایا جاتا ہے:

پہلی روایت: ابن عباس سے منقول ہے: ”علیؑ نے پیغمبرؐ عسل دینے کے بعد فرمایا: میرے والدین آپ پر فدا، آپ حیات میں بھی پاک و پاکیزہ اور بعد وفات بھی پاک و پاکیزہ، بارگاہ خداوندی میں ہمیں بھی یاد رکھے گا۔“ (۲)

دوسری روایت: ابو بکر نے پیغمبرؐ کے چہرہ سے کفن کو ہٹایا اور بوسدینے کے بعد وہی فقرے کہے جو مولانا علیؑ کی زبان پر جاری ہوئے تھے۔ (۳)

تیسرا روایت: عمر کی خلافت کے دوران ایک بار قحط پڑا، بلاں بن حارث قبر پیغمبرؐ پر گئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! لوگ بتاہی کے گھاٹ اتر رہے ہیں، خدا سے اپنی امت کے لئے باران رحمت طلب کیجئے، پیغمبرؐ کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: بہت جلد باران رحمت کا نزول ہوگا۔ (۴)

۱. الدرر السنیہ: ص ۲۹۔ کشف الارتیاب: ص ۲۲۳۔ الاصابة: ج ۲، ص ۹۲۔ ج ۳، ص ۸۲۔ اسد الغابة: ج ۳، ص ۷۵۔ ۲. الاحادیث الطوال: طرانی، ص ۸۵۔

۲. آمالی مفید: ص ۵۰۵۔ بحار الانوار: ج ۲۲، ص ۵۲۷۔ التمهید: ابن عبد البر، ج ۲، ص ۱۲۲۔ شرح نهج البلاغة: ج ۱۳، ص ۳۲۔

۳. کشف الارتیاب: ص ۲۲۵۔ خلاصة الكلام: زینی دحلان، ص ۳۲۔

۴. فتح الباری: ج ۲، ص ۳۱۲۔ سنن الکبریٰ: ج ۳، ص ۳۵۱۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۱۳۷۔ تمہید الاولی و تلخیص الدلائل: باقلانی، ص ۲۸۸۔ الدرر السنیۃ فی الرد علی الواہابیۃ: زینی دحلان، ص ۳۲۔ سیل الہدی و الرشاد: ج ۲، ص ۲۹۹، ب، ب۔

اس واقعہ کی بنیاد پر، عالم بزرخ میں پیغمبر^ص سے بارش کی درخواست کرنا اور ان سے دعا کرنا ممکن ہے، اسی طرح آنحضرت^ص بزرخ کے عالم میں بھی لوگوں کی درخواست جانتے ہیں الہذا جس طرح دنیا میں پیغمبر^ص سے درخواست کرنا بدعوت اور شرک و کفر نہیں ہے اسی طرح جب آپ^ص عالم بزرخ میں ہیں تو بھی ان سے درخواست کرنا کفر، بدعوت یا شرک نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ مردہ سے درخواست کرنا اس کی عبادت کرنے کی مانند ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ کسی زندہ سے شفاعت طلب کرنا بھی عبادت کی شبیہ ہے! الہذا یہ منطقی بات نہیں ہے کہ مردہ کی شفاعت کے متعلق یہ اعتراض کیا جائے۔

اب جب کہ تمام تر آیات و روایات اور شواہد بیان کئے جا چکے ہیں، وہاں پر کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ مردہ سے شفاعت طلب کو حرام قرار دیں! اور دوسرا جانب سے بہت تعجب کی بات ہے: ”وہابی کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی یا تابعی نے شفاعت طلب نہیں کی! جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوگ خود اپنی کتابوں کا بھی مطالعہ نہیں کرتے ہیں اور ان کی گفتگو جاہلانہ ہے۔“



دوسرا فصل

مقبروں سے برکت حاصل کرنا

وہایوں کا نظریہ

ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار، قبر کو مس کرنے، چومنے اور اسے باعث برکت شمار کرنے کو حرام سمجھتے ہیں اور جو مسلمان ان امور کو انجام دیتے ہیں ان کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں اور ان کو قبر پرست کے نام سے تعییر کرتے ہیں۔ وہایوں کی نظر میں یہ امور دورانِ جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرنے کی مانند ہیں۔

وہایوں کے نظریہ پر تنقید

وہایوں کے نظریہ کی تنقید کئی جہت سے ممکن ہے، جن میں سے چند جہات کی

جانب اشارہ کرنا مناسب ہے:

پہلی جہت: اہل سنت کے پیشوَا ”امام مالک“ منصور دو ایقی سے کہتے ہیں: ”پیغمبرؐ کی وفات کے بعد بھی ان کا احترام ویسا ہی ہے جیسا آپؐ کی زندگی میں،“ ہم بھی اسی کے قابل ہیں کہ انہیاً نے الٰہی کی وفات ان کے احترام پر کوئی اثر نہیں کرتی لہذا ان کی پاک و پاکیزہ قبریں بھی لاائق صد احترام ہیں۔ اس اعتبار سے اگر شریعت میں صراحت کے ساتھ پیان بھی نہ ہوا ہوتا بھی یہ عمل پسندیدہ اور اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ عمل شعائرِ الٰہی کا احترام شمار ہوتا ہے۔

دوسری جہت: اگر تعظیم و تکریم عبادت شمار ہو لیکن حرام ہو یا قبر کا چومنا عبادت ہو لیکن شرک ہو تو اس اعتبار سے کعبہ کی تعظیم، طواف کعبہ، حجر اسود کو چومنا، حجر اسماعیل کا احترام، مقام ابراہیم کی تعظیم، مساجد کا اکرام، والدین کے سامنے خصوع و خشوع، آدم کے لئے فرشتوں کا سجدہ، یوسفؐ کے مقابل ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ کرنا، سپاہیوں کا اپنے افسر کی تعظیم کے لئے جھکنا، صحابہ کا احترام پیغمبر اسلامؐ کی بابت اور خود وہابیوں کا اپنے عہدہ داروں کی تعظیم کرنا بھی شرک شمار ہو گا جب کہ وہابیوں نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار نہیں دیا۔

تیسرا جہت: صحابہ کی رفتار اور ان کی گفتار، وہابی عقائد سے سازگار نہیں؛ کیونکہ صحابہ کرام قبور اور مرقدوں کا بوسہ دیتے تھے اور مرقدوں کی خاک کو تبرک شمار کرتے تھے جن میں سے چند نمونوں کا تذکرہ مناسب ہے:

الف: قبر پیغمبرؐ سے فاطمہؓ کا تبرک حاصل کرنا

مولانا فرماتے ہیں: ”وفات پیغمبرؐ کے بعد، جناب فاطمہؓ آپؐ کی قبر اطہر کے پاس کھڑی ہوئیں اور خاک پاک کو اٹھا کر اپنے چہرہ پر ملا، اور بال بکھیرتے ہوئے یہ مرثیہ

پڑھا: اگر کسی نے قبر پیغمبرؐ کی خاک کو سوچ لیا تو اسے آخری عمر تک کسی عطر کی کیا ضرورت ہے؟ اے بابا! آپ کے بعد میرے اوپر ایسے ایسے مصائب کے پھاڑ ڈھائے گئے کہ اگر وہ دن کے اجالوں پر پڑتے تو سیاہ رات کی مانند ہو جاتے۔“ (۱)

ب: ابوالیوب انصاری کا قبر پیغمبرؐ کی خاک کو مبارک شمار کرنا

داود بن صالح کا بیان ہے: ”ایک روز مروان بن حکم مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص اپنا رخسار قربنبوی پر رکھے ہوئے ہے، مروان نے اس کی گرد مضمبوطی سے پکڑی اور اپر کی طرف کھینچا اور اس سے کہا: کیا تم جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ جب اس شخص نے مروان کی جانب دیکھا تو مروان کو پتہ چلا کہ ابوالیوب انصاری ہیں۔ ابوالیوب نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں کہ کسی پتھر کے تختے کے پاس نہیں آیا بلکہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں! اس کے بعد مروان سے کہا: میں نے پیغمبر اسلام کو فرماتے ہوئے سنा ہے: دین کے لئے اس وقت گریہ نہ کرنا جب اس کی لگام لاّق رہبر کے ہاتھوں میں ہو، دین کے لئے صرف اس وقت گریہ کرنا کہ جب دین کا رہنمانا اہلوں کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔“ (۲)

یہاں آکریہ بتانا بھی لازم ہے کہ حاکم نیشاپوری اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح شمار کیا ہے اور سکی نے کہا ہے: ”اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو قبر کی دیواروں پر ہاتھ مس کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔“ (۳)

۱. ارشاد المساری: ج ۲، ص ۳۵۲۔ الاتحاف: شبراوی، ص ۹۰۔ مشارق الانوار: ص ۲۳۔

۲. مستدرک حاکم: ج ۲، ص ۵۶۰، ح ۸۵۷۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۴۰۳۔

۳. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۴۰۳۔ کشف الارتیاب: ص ۳۲۷۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

علامہ ایمیٰ بیان کرتے ہیں: ”اس حدیث شریف سے سمجھ میں آتا ہے کہ پاکیزہ مقبروں سے توسل کی ممانعت کی بدعت، امویوں کی ایجاد کردہ ہے۔“ (۱)

ج: بلاں کا قبر پیغمبر گومبارک شمار کرنا

بلاں نے پیغمبر اسلام کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت نے ان سے فرمایا: اے بلاں! ایسی بے رخی کیوں! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میری زیارت کے لئے آؤ؟ بلاں نے خواب سے بیدار ہوتے ہی غم گساری اور حزن کے عالم میں رخت سفر باندھنا شروع کر دیا اور مدینہ کا قصد کیا، جب آپ قبر نبوی پر پہنچ تو گریہ کے عالم میں بال پر پیشان کر کے اپنے رخساروں کو قبر پر مل رہے تھے۔ (۲)

د: ابن عمر کا قبر نبوی گومبارک شمار کرنا

یہ بھی روایت منقول ہے کہ ابن عمر پنا دیاں ہاتھ قبر نبوی پر رکھتے تھے اور بلاں اپنے رخساروں کو رکھتے تھے۔ (۳)

ه: ابن منکدر کا قبر نبوی سے تمک حاصل کرنا

ابن منکدر تابعی، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی زبان میں گرہ لگ گئی، وہ اسی وقت اٹھے پیغمبرؐ کی قبر اطہر پر اپنا رخسار رکھا اور پلٹ آئے، ان کے دوستوں نے ان کی سر زنش کی لیکن انہوں نے جواب دیا: جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے میں قبر پیغمبر سے ہی توسل کرتا ہوں اور انھیں سے شفاف طلب کرتا ہوں۔ (۴)

۱. الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۱۔ اشاعت جدید ص ۲۱۸۔

۲. سیر اعلام النبیاء: ج ۱، ص ۳۵۸۔ اسد الغابہ: ج ۱، ص ۲۰۸۔ شفاء السقام: ص ۳۹۔

۳. کشف الارتیاب: ص ۳۳۶۔ شرح الشفاء: ج ۲، ص ۱۹۹۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۰۔

۴. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۲۲۲۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۱۔

ذہبی نے ابن منذر کا قول ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”میں آنحضرت سے
مد طلب کرتا ہوں“۔ (۱)

علمائے اہل سنت کے نظریات اور فتوے

احمد بن حنبل کا فتویٰ

عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے: ”میں نے اپنے باپ (احمد بن حنبل) سے پوچھا: آپ کی نظر اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو پیغمبر اسلام کے منبر کو چومتا ہے اور اسے باعث برکت شمار کرتا ہے؟ یا ثواب کی غرض سے آنحضرتؐ کی قبر کو بوسہ دیتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں ہے“۔ (۲)

ابن تیمیہ کی حیرت

ابن تیمیہ نے جب امام احمد بن حنبل کا ذکر وہ نظر یہ دیکھا تو وہ حیرت زدہ ہو گیا اور تعجب بھرے لہجہ میں کہا: کیا یہ واقعاً احمد بن حنبل کا فتویٰ ہے، میں تو اس کو ایک باصلاحیت عالم سمجھتا تھا!!!(۳)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں خود ابن تیمیہ پر تعجب ہو رہا ہے کہ وہ تو ایسے امور انجام دینے والے کو کافر و مشرک کہتے ہیں! پھر امام احمد بن حنبل کو کافر کیوں کہیں کہا!؟۔

۱. سیر اعلام النبلاء: ج ۵، ص ۳۵۸۔ لیکن بہت افسوس کی بات ہے کہ اس کتاب کے شارح یا صحیح جب ان جیسی روایتوں پر پھر ہو نچتے ہیں تو بغیر غور و خوض کے ان احادیث کی سنکو ضعیف بتادیتے ہیں یا اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہوئے ان کی تردید کرتے ہیں گویا حقیقی اسلام وہاں پر کے نظریات پر ہی مبنی ہے!

۲. وفاء المؤفاء: ج ۲، ص ۱۲۱۳۔

۳. ایضاً۔

رملی شافعی کا فتویٰ

رملی شافعی بیان کرتے ہیں: ”انبیاء و اولیائے الہی اور علماء کی قبروں پر تبرکا ہاتھ پھیرنا اور چومنا کسی حرج کا باعث نہیں ہے۔“ (۱)

رملی شافعی کا دوسرا فتویٰ

قبر کا تکیہ اور اس کا سرچومنا مکروہ ہے لیکن ہاں! اگر یہ بوسہ دینا تبرک کی نیت سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، میرے بابا کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ فقہاء نے بخوبی صراحة کی ہے کہ اگر کوئی حجر اسود تک رسائی حاصل نہ کر پار ہا ہو تو اپنا عصا حجر اسود کی جانب کرے اور پھر اسے چوم لے۔ (۲)

محب الدین طبری کا فتویٰ

محب الدین طبری شافعی کا بیان ہے: ”قبر کو چومنا اور اس کو مس کرنا جائز ہے، علماء وصالحین کی سیرت میں بھی یہ عمل پایا جاتا ہے۔“ (۳)

۱. یہ فتویٰ شبرا ملی نے ابوضیاء سے نقل کرتے ہوئے ”کتاب مواهب الدینیۃ“ کے حاشیہ میں اور حمز اوی نے اپنی کتاب ”کنز المطالب: ص ۲۱۹“ میں بھی ذکر کیا ہے۔

۲. ایضاً کتنے تجھب کی بات ہے کہ ابن تیمیہ نے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جب کہ یہم سے بھی آگے کی بات کر رہے ہیں کیونکہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ حجر اسود کو عصا کے ذریعہ چوما جائے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ برہ راست چوما جائے لیکن پھر بھی ہم ابن تیمیہ کے تیر کا شکار بن گئے اور ان کے فقہاء کو ان کا عصا بچا کر لے گیا۔ (متترجم)۔

۳. استئن المطالب: ج ۱، ص ۳۳۱۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۷۔ ۱۳۰۷۔

شہاب الدین حنفی کا فتویٰ

شہاب الدین خنافسی حنفی اپنی کتاب ”شفاء“ میں اس مسئلہ ”قبو پر ہاتھ پھیرنا اور اس کو چومنا مکروہ ہے“ کی توضیح میں لکھتے ہیں: ”چونکہ اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اجماع نہیں ہے لہذا امام احمد بن خبل اور طبری نے کہا ہے کہ قبر کو چومنے اور اس سے مس ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ (۱)

ابن ابی صیف کا فتویٰ

شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے، مکہ کے مشہور عالم ”ابن ابی صیف یمانی“ رقمطراز ہیں: ”قرآن، کتاب حدیث اور صالحین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔“ (۲)

زرقاوی ماکلی کا فتویٰ

قبر شریف کا چومنا مکروہ ہے لیکن اگر تبرک کی غرض سے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ (۳)

عزامی شافعی کا فتویٰ

ابن تیمیہ کہتا ہے: ”جو شخص صالحین کی قبروں کو چومنے یا مس کرے یا طواف کرے وہ بڑے گناہ کا مرتبہ ہوا ہے“؛ عزامی شافعی ابن تیمیہ کا جواب کچھ اس انداز سے دیتے ہیں: ”وہ اپنی زبان پر بغیر سوچے سمجھے کچھ بھی جاری کر دیتا ہے، وہ ایک مقام پر تو کہتا ہے کہ عظیم گناہ ہے اور دوسری جگہ کہتا ہے کہ شرک ہے، جب کہ ابن تیمیہ کی ولادت سے قبل، علماء نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے اور یہ بالکل روشن ہے۔“

۱. شرح الشفاء: ج ۳، ص ۱۷۱۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۱۳۰۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۳۲۔

۲. الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۳۔

۳. شرح المawahib: ج ۸، ص ۳۱۵۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

دوسری جانب سے ابن تیمیہ کی گفتار، علماء کے اقوال سے سازگار نہیں ہے؛ کبھی یہ کہتا ہے کہ اس بارے میں علماء کا اجماع ہے حالانکہ علماء کا اجماع اس کے خلاف ہوتا ہے، اگر کوئی شخص ابن تیمیہ سے قبل کے علماء یا اس کے بعد والے علماء یا انصاف پسند افراد کی گفتگو پر غور و خوض کرے تو ہماری گفتگو کو حقیقت پر مبنی دیکھے گا، مثلاً عام طور سے امت مسلمہ قبر کو چوتی ہے اور طواف کرتی ہے؛ اس بارے میں علماء کے تین نظریات ہیں: (الف) یا امور جائز ہیں (ب) ممنوع ہیں لیکن حرمت کی حد تک نہیں (ج) اگر کوئی زیارت میت کا اشتیاق رکھتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے لیکن اگر اشتیاق نہیں ہے تو اسی صورت میں قبر کو سیکرنا یا اس کا طواف کرنا ادب کے خلاف ہے۔ جس بنابر اben تیمیہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے، اگر اس میں غور و خوض کیا جائے تو اس کا کلام دو مقدموں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک مقدمہ صحیح ہے اور دوسرا مقدمہ غلط ہے، دونوں مقدمے مندرجہ ذیل ہیں:

صحیح مقدمہ (کبریٰ): غیر خدا کی عبادت کرنا شرک ہے۔

غلط مقدمہ (صغریٰ): مردہ کو آواز دینا، غالب انسان کو صد ادینا، قبر کا طواف کرنا، قبر کو سکرنا اور مردہ کے لئے نذر یا قربانی کرنا وغیرہ جیسے امور غیر خدا کی عبادت شمار ہوتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ یہ مقدمہ سراسر غلط ہے۔ (۱)

۱. فرقان القرآن: ص ۱۳۳۔ کیونکہ کسی بھی عالم یا فقیہ نے ایسا فتویٰ نہیں دیا ہے، اور ابن تیمیہ کا یہ عوامی باطل ہے کہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کیونکہ مسئلہ بالکل اس کے برخلاف ہے، کسی بھی عالم یا فقیہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ مذکورہ بالا امور غیر خدا کی عبادت شمار ہوتے ہیں۔ (مترجم)۔

ابن حجر کا فتویٰ

”جہر اسود کے بوسہ کو دلیل بناتے ہوئے بعض فقهاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ لائق احترام چیزوں کا چومنا جائز ہے“۔ (۱)

شیخ ابراہیم شافعی کا فتویٰ

شیخ ابراہیم باجوری شافعی نے بیان کیا ہے: ”قبر کو چومنا اور اس سے اپنے ہاتھ کو سکرنا مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ تبرک کی نیت سے ہو“۔ (۲)

شیخ عداوی مالکی کا فتویٰ

عداوی حمز اوی مالکی کا بیان ہے: ”اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کو تبرک کی غرض سے چوتھے ہیں، اس بنا پر دیگر انبیاء الہی کی قبروں کو بوسہ دینے کا بھی جواز پیدا ہو جاتا ہے“۔ (۳)

قبر چونے کے متعلق روایات

كتاب ”كشف الارتياپ“، میں کتاب ”کفایۃ الشعی - فتاوی الغرائب - مطالب المؤمنین اور خزانۃ الروایۃ“، سے نقل کرتے ہوئے یہ روایت نقل ہوئی ہے: ”ایک شخص رسول اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں نے فتنم کھائی ہے کہ جنت اور حوروں کی پیشانی کا بوسہ لوں؟ آپؐ نے جواب دیا: جاؤ اپنی ماں کے قدم اور باپؐ کی پیشانی کو چوم لو؛ اس نے پوچھا: اگر والدین زندہ نہ ہوں!

۱. وفاء الرفقاء: ج ۲، ص ۱۳۰۵.

۲. شرح الفقہ الشافعی: ج ۱، ص ۲۷۲۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۲۔

۳. کنز المطالب: ص ۲۰۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۳۔ مشارق الانوار: ج ۱، ص ۱۳۰۵۔

وہابیت کا تقدیم جائزہ

حضرتؐ نے جواب دیا: ان دونوں کی قبروں کا بوسہ لے لو؛ اس شخص نے کہا: اگر مجھے یہی معلوم نہ ہو کہ ان کی قبریں کہاں ہیں تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: زمین پر دولکیریں کھینچو، ایک لکیر قبر مادر کی نیت سے اور دوسری اپنے والد کی نیت سے، پھر ان دونوں لکیروں کو چوم لو لیکن (خبردار!) اپنی قسم نہ توڑنا۔ (۱)

منبر رسول ﷺ سے حصول برکت

آج تک امت مسلمہ کی یہی سیرت رہی ہے کہ منبر رسولؐ، آپؐ کی جانماز اور ہر اس چیز کو مبارک سمجھتے ہیں جو آپؐ کے جسم اقدس سے مس ہوئی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی یہ بھی سیرت رہی ہے کہ خاک مدینہ کو مبارک سمجھتے ہیں بالخصوص جانب حمزہؐ کی قبر اطہر کی مٹی کو۔ مسلمانوں کی سیرت یہ بھی رہی ہے کہ منبر رسولؐ کو نہایت محترم شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے نزدیک قدم کھانے سے بھی گریز کرتے ہیں تاکہ اس کی حرمت کا پاس و لحاظ باقی رہے، ان میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا نمونہ

مروان نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ منبر رسولؐ کے نزدیک پہنچ کر قدم کھائیں لیکن انھوں نے منبر رسولؐ کے احترام کی خاطر قدم کھانے سے انکار کر دیا اور مروان کے حکم سے سرچپی کی۔ (۲)

۱. کشف الداریاب: ص ۳۵۰۔ اس قول سے سمجھ میں آتا ہے کہ قبر کا چومنا جائز ہے ورنہ آنحضرتؐ بھی یہ حکم نہ دیتے کہ نشان قبر بناؤ اور اس کو قبر سمجھ کر چومو، دوسری جانب سے قدم کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ اگر قدم کھائی ہے تو اس کو پورا کرو چاہے کتنی ہی مشکلوں کا سامنا ہو۔ (مترجم)۔

۲. صحیح بخاری: ج ۳، ص ۲۲۳۔

دوسرانہ

عاقولی نے منبر رسول کی تعریف کرتے ہوئے بیان کیا: ”جب منبر رسول بوسیدہ ہو گیا تو ایک عباسی خلیفہ نے اس کی تعمیر کرائی اور باقی پچی ہوئی لکڑی کو مبارک قرار دیتے ہوئے اس سے اپنے لئے کنگھا بنوایا جیسا کہ صحابہ کرام بھی منبر رسول کو مبارک شمار کرتے تھے۔“

تیسرا نہ

ایک مرتبہ منبر رسول میں آگ لگ گئی، منبر رسول میں آگ لگنا اہل مدینہ کے لئے ناگوار حادثہ تھا، کیونکہ جس مقام پر رسول دست مبارک رکھتے تھے اور جہاں قدم مبارک رکھتے تھے وہ تمام مقامات خاکستر ہو چکے تھے جس کے سبب امت مسلمہ اس تبرک سے محروم ہو گئی تھی۔ (۱)

چوتھا نہ

یزید بن عبد اللہ بن قسطط (۲) سے منقول ہے: ”منبر رسول، آپ کی قبر مبارک کے کنارے تھا، جب مسجد میں خلوت ہوئی تو بعض صحابہ نے منبر کا دایا حصہ پکڑا اور روپہ قبلہ ہو کر دعا کی۔“ (۳)

۱. الآثار السوية: ص ۳۱.

۲. ان کے بارے میں معروف ہے کہ یہ امام، فقیہ اور رشیق تھے، صحابہ میں ان سے روایات نقل ہوئی ہیں اور لوگوں نے ان کی فقاہت سے استفادہ بھی کیا ہے، ان کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبیاء: ج ۵، ص ۲۶۶).

۳. الطبقات الکبریٰ: ج ۱، ص ۱۳۰۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۲۰۔

پانچواں نمونہ

دو سیں صدی کے دانشور ”شیخ احمد بن حمید“ گویا ہیں: ”لوگ، منبر رسول کی لکڑیوں کو مبارک شمار کرتے تھے۔“ - (۱)

چھٹا نمونہ

سمہودی کا یہاں ہے: ”منبر رسول پر غلاف کی مانند ایک اور منبر بنادیا گیا تھا اور اس میں ایک روشنداں بنادیا گیا تھا جس سے منبر رسول نظر آتا تھا، اس روشنداں سے مومنین اپنے ہاتھ منبر رسول تک پہنچاتے تھے اور بوسہ دیتے تھے۔“ - (۲)

تبrik کے بارے میں فقہاء کے فتوے

پہلا فتویٰ

امام مالک اور ان کے استاد ”یحییٰ بن سعید النصاری“، ابن میسیب اور ابن عمر نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ”منبر رسول کے دستے پر ہاتھ مس کرنا جائز ہے۔“ - (۳)

دوسرا فتویٰ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”جب قبر یغمبر پر دعا پڑھنے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنا ہاتھ منبر رسول سے مس کرو، دونوں دستوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑو اور اپنی آنکھوں کو مس کرو کہ یہ کام شفا کا باعث ہے۔“ - (۴)

۱. عمدة الاخيار: ص ۱۳۵.

۲. الصارم المنکی: ص ۱۳۲۔ وفاء الرفاء: ج ۳، ص ۱۲۰۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۵، ص ۳۶۸۔

۳. ایضاً.

۴. وسائل الشیعۃ: ج ۰، ا، ص ۲۷۰۔

تیسرا فتویٰ

اسحاق ابن ابراہیم سے متفق ہے: ”بہتر ہے کہ حاجی مدینہ جا کر مسجد نبوی میں نماز ادا کرے اور آپؐ کے روضہ کا نظارہ کرے، پھر آپؐ کے منبر، آپؐ کی قبر اور ان مقامات کو چوئے جہاں آپؐ کے قدم مبارک پڑے ہوں، اسی طرح اس ستون کا بھی بوسہ لے جس سے آپؐ تکنیک لیکر بیٹھتے تھے اور آپؐ پر جبریل نازل ہوتے تھے، اسی طرح صحابہ تابعین یا مسلمانوں کے وہ رہنمای جنہوں نے ان اشیاء کی مرمت کی ہے ان کو بھی مبارک اور لائق تعظیم شمار کرے۔“ (۱)

حضور اکرم ﷺ کی قبر سے تبرک (۲)

امت مسلمہ کی سیرت رہی ہے کہ خاک قبر پیغمبرؐ، خاک قبر سید الشہداء حضرت امام زادہ اور خاک مدینہ کو تبرک کا درجہ دیتے ہیں، مردی ہے کہ خاک مدینہ میں ہر درد کی شفا ہے مثلاً جذام اور سر درد۔ فقہاء نے بھی اس مبارک خاک سے تبرک حاصل کرنے کو جائز شمار کیا ہے، یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان مقامات (درد کے وقت) استعمال کرنا مُستحسن اور پسندیدہ امر ہے، نمونہ کے طور پر چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا نمونہ: سہودی کا بیان ہے: ”صحابہ وغیر صحابہ، پیغمبر اکرمؐ کی قبر اطہر سے خاک پاک کو تبرک کے عنوان سے لے جاتے تھے یہاں تک کہ عائشہ کے حکم سے وہ جگہ بند

۱. الصارم المنکی: ص ۳۸.

۲. ظاہری بات ہے کہ آپؐ کی ذات والا صفات، ان اوصاف کی حامل تھی کہ امت مسلمہ کو آپؐ کی گرد پا، تو تیائے چشم قرار دینی چاہئے؛ لیکن چونکہ اس زمانہ میں آپؐ کے نقش پا موجود نہیں ہیں تو ہم غلامان پیغمبرؐ کی معراج بھی ہے کہ آپؐ کی قبر اطہر کی خاک پاک کو اپنی آنکھوں کا سرمهہ قرار دیں تاکہ حق بین نگاہوں کا حصول با آسانی ممکن ہو۔ (مترجم).

کر دی گئی جس جگہ سے خاک اٹھائی جاتی تھی،”-(۱)
 بعض لوگ عائشہ کے حکم کی کچھ یوں تاویل کرتے ہیں: ”عائشہ نے وہ مقام اس لئے بند کرایا کیونکہ انھیں خوف لاحق ہوا کہ اگر لوگ یوں ہی قبراطہر کی مٹی لے جاتے رہے تو تمام خاک ختم ہو جائے گی اور قبر خراب ہو جائے گی!“-(۲)
 دوسرا نمونہ: امت مسلمہ، خاک مدینہ کو مبارک شمار کرتی ہے؛ اس کے متعلق سہیودی کا بیان ہے: ” مدینہ کے صعیب نامی مقام کی خاک کو بخار کی دو سمجھتے تھے اور بخار میں اسی خاک کو استعمال کرتے تھے، سہیودی نے زرکشی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا: رسول اللہؐ کی حرمت کے پیش نظر مدینہ کی خاک کو کہیں دوسرا جگہ لے جانا حرام ہے لیکن حمزہؑ کی تربت کا حکم اس سے الگ ہے (۳) کیونکہ تمام فقهاء کا اجماع ہے کہ ان کی خاک کو علاج کی غرض سے لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“-(۴)
 تیسرا نمونہ: صنہا بی کا بیان ہے: ”میں نے احمد بن یکوت سے سوال کیا: لوگ قبروں کی مٹی کو ترک کے عنوان سے اٹھاتے تھے، کیا یہ جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جائز ہے۔ اسی طرح لوگ علماء، صالحین اور شہداء کی قبروں کو ترک کا استعمال کرتے تھے۔ اس زمانہ سے آج تک جناب حمزہؑ کی قبر سے خاک اٹھاتے ہیں۔“-(۵)

.....
۱. وفاء الوفاء: ج ۱، ص ۵۲۷

۲. ایضاً.

۳. کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ زرکشی صاحب، جناب حمزہؑ کی تربت کو شفنا کا باعث قرار دے رہے ہیں لیکن جو رسول کل کا سات کے لئے رحمت بن کر آیا اس کی تربت کو شفنا کی خاطر اٹھانے کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ (متجم).
.....

۴. ایضاً: ص ۱۱۲

۵. وفاء الوفاء: ج ۱، ص ۵۲۹

چوتھا نمونہ: ابن فردون کا بیان ہے: ”دور حاضر میں لوگ، جناب حمزہ کی قبر کے نزدیک سے خاک اٹھاتے ہیں اور اس سے شفایت کے دانے آمادہ کرتے ہیں۔“
ابن فردون نے لوگوں کے اس عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مدینہ کی خاک کو مدینہ سے باہر لے جانا جائز ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

خاک مدینہ، بیماریوں سے شفا

خاک مدینہ، امراض میں شفا بخش ثابت ہوتی ہے؛ اس سلسلہ میں متعدد روایات موجود ہیں جن میں سے نمونہ کے طور پر چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:
پہلی روایت: سمہودی کا بیان ہے: ”ابن نجار کی کتاب اور کتاب وفاء الوفاء میں بیان ہوا ہے کہ مدینہ کے گرد و غبار میں، جذام کے لئے شفا ہے۔“

دوسرا روایت: ابن اثیر نے اپنی کتاب ”جامع الاصول“ میں سعد سے نقل کرتے ہو اخیر کیا ہے: ”جب رسول اسلام جنگ بدر سے واپس آرہے تھے تو کچھ لوگ آپ کے استقبال کے لئے دوڑے، آپ کے ساتھیوں نے اپنی اپنی ناک اپنے سر پر پڑے کپڑے سے بند کر لی تاکہ گرد ناک میں داخل نہ ہو لیکن رسول اسلام نے اپنی ناک سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: اس خدا کی قبضہ قدرت! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، خاک مدینہ ہر بیماری کے لئے شفا بخش ہے۔“

تیسرا روایت: ابوسلمہ سے مردی ہے: ”میں نے رسول خدا کے دہن اقدس سے سنا کہ مدینہ کی گرد و غبار میں جذام سے شفا ہے۔“

۱. وفاء الوفاء: ج ۱، ص ۱۱۶.

چوتھی روایت: سہو دی کا بیان ہے: ”میں خود شاہد ہوں کہ ایک شخص جذام میں مبتلا تھا، وہ اپنی شفا کے لئے ”قُبَا“ کی راہ میں ”درَة بلطخان“ میں ”تو دھ خاک سفید“ نامی علاقہ میں گیا، وہاں سے تھوڑی سے خاک اٹھا کر اپنے جسم پر ماش کی اور تھوڑی سی خاک اپنے ساتھ بھی لیکر چلا، یہ کام اس کے حق میں واقعًا فائدہ مند ثابت ہوا۔“

پانچویں روایت: ابن زبالہ، یحیٰ بن حسن بن جعفر علوی اور ابن نجارت بیان کرتے ہیں: ”پیغمبر ﷺ، قبیلہ بلحارت میں تشریف لے کر گئے تو آپؐ نے محسوس کیا کہ وہ لوگ سانس کی ٹنگی اور عقل کی پراگندگی سے دوچار ہیں، آپؐ نے پوچھا: تم لوگ ان بیماریوں میں کیوں مبتلا ہو؟ انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! ہمیں بخار آیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تم خاک صعیب (۱) سے کیوں استفادہ نہیں کرتے؟ انہوں نے پوچھا: کیسے؟ آپؐ نے جواب دیا: تھوڑی سی خاک کو پانی میں ملاو، پھر تم سے کوئی ایک شخص اس میں تھوڑا سا عابد ہن ملائے اور کہے: خداوند عالم کے نام سے ہماری سرز میں کی خاک بھکم خداوند ہمارے بعض اہل وطن مریضوں کو شفادینے والی ہے؛ انہوں نے حکم پیغمبرؐ پر عمل کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام لوگوں کا بخار ختم ہو گیا۔“

ابن نجارت نے ابوالقاسم بن یحیٰ علوی سے نقل کیا ہے: ”یہ روایت صحیح ہے کیونکہ میں خود اس کا شاہد ہوں کہ صعیب کی خاک شفا بخش ہے اور آج بھی شفادیتی ہے، میں نے خود بھی اس خاک سے استفادہ کیا ہے۔“

سہمودی کا بیان ہے: ”مقام صعیب پر وہ گڑھا آج بھی موجود ہے جو مشہور ہے میں نے خود بھی اس گڑھ سے خاک لی اور اپنے بیمار دوستوں کے لئے بھیجی۔“

۱. مدینہ میں ایک شہر کا نام۔

زرکشی کے قول (۱) پر سہودی نے اعتراض کیا: ”جناب حمزہ کی تربت کا حکم کیوں جدا ہے، آپ نے صعیب کی خاک کے حکم کو کیوں الگ بیان نہیں کیا؟ جب کہ خاک صعیب کو بھی مدینہ سے باہر شفا کی نیت سے لے جایا جا سکتا ہے!“ (۲)

سونے کا مبارک سلسلہ

۱۔ جابر ابن عبد اللہ کا بیان ہے: ”میں ایک سفر میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ تھا، اچانک میرا اونٹ بیمار ہو گیا جس کے سبب میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا، رسول اسلام میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا: کیا ہو گیا؟ میں نے جواب دیا: میرا اونٹ بیمار ہو گیا ہے! آپ نے میرے اونٹ کی دُم پکڑی اور اسے ہانکا، اس کے بعد میں بھی ایسے ہی کرنے لگا جس کے سبب میں قافلہ سے آگئے ہو گیا، جب مدینہ زدیک آیا تو حضورؐ نے مجھ سے پوچھا: تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: اب بھی بیمار ہے، آپ نے فرمایا: وہ اونٹ مجھے فروخت کر دو۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ اونٹ آپ کا ہی ہے، خریدو فروخت کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں تم سے اس کو چالیس درہم میں خریدوں گا، تم مدینہ تک اسی پر سوار ہو کر چلو مدینہ پہنچ کر مجھے دے دینا، جب مدینہ

۱۔ زرکشی کا بیان: ”مدینہ اور حرم رسول کی خاک پاک کو مدینہ سے باہر لے جانا حرام ہے لیکن سید الشهداء جناب حمزہؐ کے حکم کو اس سے جدا کیا گیا ہے کیونکہ ان کی تربت میں شفا ہے اور اس کو مدینہ سے باہر لے جایا جا سکتا ہے!“

زرکشی کا جواب: کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ زرکشی صاحب، جناب حمزہؐ کی تربت کو شفا کا باعث قرار دے رہے ہیں لیکن جو رسول کل کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا اس کی تربت کو شفا کی خاطر اٹھانے کو بھی حرام قرار دیتے ہیں! (متجم)“

۲. وفاء المؤفاء: ج ۱، ص ۶۹

پھر تو میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے بلاں کو حکم دیا کہ مجھے چالیس درہم دے دیں اور یہ بھی حکم دیا کہ مجھے چالیس درہم سے ایک قیراط^(۱) زیادہ دیں، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ پیغمبر اسلامؐ کی جانب سے ایک اضافی قیراط کو میں ہمیشہ (برکت کے عنوان سے) اپنے پاس رکھوں گا، وہ قیراط ہمیشہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ واقعہ حڑہ رونما ہوا اور شامیوں نے مدینہ پر حملہ کیا تو مجھ سے وہ قیراط زبردستی چھین لیا۔^(۲)

جی ہاں! جابر بن عبد اللہ جیسے عظیم صحابی رسولؐ نے حضور اکرمؐ کے دست مبارک سے دیا ہوا ایک قیراط، باعث برکت قرار دیا اور اس کو ہمیشہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا۔^(۳)

۲۔ جنگ خیبر میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ خواتین کا ایک گروہ تھا، آنحضرتؐ نے مال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دیا، ان میں سے ایک خاتون کا بیان ہے: ”میں تمام خواتین کی نمائندگی میں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئی اور کہا: ہم خواتین بھی آپ کے ساتھ آنا چاہتے ہیں اور حتی المقدور مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: پروردگار کی برکت کے زیر سایہ ہم رسول اسلامؐ کے ساتھ گئے، مسلمانوں نے جنگ خیبر فتح کی جس کے مال غنیمت میں سے ایک معین حصہ ہمیں بھی ملا، پیغمبر اسلامؐ نے ایک میرے گلے میں ایک گلو بندڑ والا، خدا کی قسم! میں نے

۱. قیراط: یعنی درہم کا بارہواں حصہ۔ (مترجم)

۲. مسنند احمد بن حنبل: ج ۳، ص ۳۱۲۔ سنن نسائی: ج ۷، ص ۲۹۸۔

۳. اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم صحابیت میں تبرک کی بہت اہمیت ہے لہذا ان تیمیہ کو اپنے بیان سے پہلے تحقیق کی ضرورت تھی جس کو اس نے اہمیت نہیں دی۔ (مترجم).

اس گلوبند کو بھی بھی اپنے گلے سے جدا نہیں کیا اور وصیت کی کہ اس کو میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ (۱)

لکھی تھی اور چند روز رسول کی صحبت میں رہی، آپ نے اس کی گردان میں گلوبند ڈالا تو اس نے اس کو تبرک سمجھا یہاں تک کہ وصیت بھی کی کہ اس کو اسی کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن اس خاتون پر کسی نے بھی بدعت کا فتویٰ نہیں لگایا۔ (۲)

آثار پیغمبر ﷺ سے تبرک

پہلا نمونہ: انس ابن مالک کا بیان ہے: ”میں نے پیغمبر اسلام کو اس عالم میں دیکھا کہ ایک آرائش گر آپ کے بال کاٹ رہا تھا اور اصحاب کا مجھکھٹ آپ کے ارد گرد حصار کئے ہوئے منتظر تھا، جب بال کاٹے جا چکے تو ہر صحابی نے آنحضرتؐ کا ایک ایک بال لے لیا اور ایک بال بھی زمین پر نہ گرنے دیا۔“ (۳)

دوسرा نمونہ: محمد بن سیرین نے عبید سے کہا: انس کی جانب سے میرے پاس حضور اکرمؐ کا ایک بال آیا ہے، عبید نے کہا: اگر یہ بال میرے پاس ہوتا تو اس کو دنیا سے زیادہ پسند کرتا۔ (۴)

۱. السیرۃ الحلبیۃ: ج ۲، ص ۷۰۔

۲. جب کہ یہ امر رسول کی زندگی میں واقع ہوا اور آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تبرک بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔ (متجم).

۳. جامع الاصول: ج ۳، ص ۱۰۲۔ لکھنے افسوس کی بات ہے کہ حضور اکرمؐ کے صحابہ آپ کے بال میں کچھ لایے لجھے کہ آپ کی آل کو بھلا بیٹھے۔ (متجم).

۴. جامع الاصول: ج ۳، ص ۱۰۲۔

تیسرا نمونہ: کبھی کا بیان ہے: ”ایک مرتبہ رسول اسلام ہمارے پاس تشریف لائے، پانی کی وہ مشکل جو ہم نے اپنے گھر میں لٹکائی تھی، آپ نے اس میں سے پانی پیا، آپ کے جانے کے بعد میں نے مشکل کا دہانہ کاٹ کر (اطور تبرک) اپنے پاس رکھ لیا۔“ (۱)

اس روایت کی تائید کرتے ہوئے ابن ماجہ نے کہا ہے: ”بہتر ہے کہ جس دہانہ سے رسول کا دہن مبارک مس ہو جائے اس کو تبرک سمجھا جائے۔“ (۲)

ترمذی نے مذکورہ بالا روایت کو صحیح روایت سے تعمیر کیا ہے۔ (۳)

چوتھا نمونہ: سہل بن سعد نے اپنے دوستوں کو ایک واقعہ سنایا: ”ایک روز پیغمبر اسلام اپنے صحابہ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف فرماتھے، آپ نے مجھ سے پانی طلب فرمایا، میں حضرت کے لئے پانی لے کر آیا، حضور اکرم نے پانی پیا اور آپ کے بعد اسی کاسہ سے راوی نے بھی پانی پیا، بعد میں عمر ابن عبدالعزیز نے وہ کاسہ مجھ سے طلب کیا تو وہ کاسہ میں نے اسی کو بخش دیا۔“

اس کاسہ کے بارے میں بخاری کا بیان ہے: ”میں نے وہ کاسہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے، اس کاسہ کو نظر بن انس نے آٹھ لاکھ درهم میں خریدا۔“ (۴)

۱. الجامع الصحيح: ترمذی، ج ۲، ص ۳۰۶، ح ۱۲۹۲. کیا عقل اسی بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جس مشکل کے دہانہ سے رسول کے لب مبارک مس ہو جائیں وہ تمکے قابل! لیکن رسول نے جن لبوں کے بوئے لئے ہوں ان لبوں پر خیران کی چھڑی اور امت رسول خاموش تماشائی!؟ (متوجه).

۲. سنن ابن ماجہ: ج ۲، ص ۱۱۳۲. ۳. الجامع الصحيح: ج ۲، ص ۳۰۶.

۴. فتح الباری: ص ۱۰۱. ایک کاسہ جو رسول کے لب مبارک سے مس ہوا اس کی قیمت آٹھ لاکھ درهم! لیکن جس گلوئے مبارک سے آپ کے لب مس ہوئے اس پر کندخیر!؟ (متوجه).

پانچواں نمونہ: جمال الدین کا بیان ہے: ”میں اپنے استاد“ تاج الدین فاکہانی“ کے ہمراہ حضورا کرم کا نقش قدم چومنے کی غرض سے شام گیا، جب ہم معین مقام پر پہنچ گئے تو میں نے اپنے استاد کی عجیب کیفیت دیکھی، وہ حضورا کرم کے نقش قدم پر گر پڑے، آنکھیں ملنے لگے، رخسار مس کرنے لگے اور بے تحاشہ گریہ کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا: اگر مجنوں سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ تمہیں لیلیٰ کا نقش قدم چاہئے یا پوری کائنات؟ تو وہ یہی جواب دیتا تھا کہ مجھے لیلیٰ کا نقش قدم چاہئے کیونکہ میرے دردوں کی دوالیلیٰ کے نقش قدم میں ہی ہے۔“ (۱)

چھٹا نمونہ: نافع کا بیان ہے: ”اگر حضورا کرم کی بابت ابن عمر کی عقیدت کو دیکھ لیتے تو یہی کہتے کہ یہ انسان ہوش عقل و خرد سے عاری ہے“ (۲)؛ جہاں بھی آپ نماز پڑھتے تھے وہیں ابن عمر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ جس درخت سے آپ نے سہارا لیا تھا اس درخت کی حفاظت کرتے تھے اور اس کی آبیاری کرتے تھے تاکہ وہ درخت خلک نہ ہو جائے۔ (۳)

۱. الدياج المذهب: ص ۱۵۵۔ الغدير: ج ۵، ص ۱۸۷۔ فاکہانی کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے لئے حضورا کرم کا نقش قدم ہی کافی ہے، ان کی مبارک تخلیق ہمارے لئے تاج سر ہے لہذا ہمیں دنیادی تخت و تاج کی ضرورت نہیں۔ (متترجم)۔

۲. سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۲۱۳۔ حلیۃ الاولیاء: ج ۱، ص ۳۱۰۔

۳. اسد الغابہ: ج ۳، ص ۳۲۱۔ جس درخت کے سامنے میں رسول میٹھ جائیں وہ اس اہمیت کا حامل!

لیکن چندتالن رسول خدا کی نذر کر دیا جائے؟!۔ (متترجم)۔

ابن عمر کی عقیدت کے متعلق، مالک کا بیان ہے: ”ابن عمر ہمیشہ حضور اکرمؐ کی ذات سے تبرک کی تلاش میں رہتے تھے اور اس امر میں اس قدر کوشش رہتے تھے کہ لوگوں کی نظر وہ میں ان کی عقل بھی مشکوک ہو چکی تھی۔“ (۱) مرقوم ہے کہ ابن عمر، پیغمبر اکرمؐ کے منبر کی اس جگہ کا بھی احترام کرتے تھے اور اسے بوسد دیتے تھے جہاں آپ تشریف فرماتے تھے۔ (۲)

ابراہیم بن عبد الرحمن کا بیان ہے: ”ابن عمر منبر کے اس مقام پر اپنے دونوں ہاتھوں کو مس کرتے تھے جہاں آپ تشریف فرماتے تھے اور پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر ملتے تھے۔“ (۳)

ساقتوں نمونہ: محمد بن منکد رمی سیرت میں بیان ہوا ہے: ”ابن منکد ر مسجد النبوی میں آتے تھے اور ایک خاص مقام پر سیدھے لبٹ جاتے تھے اور اپنے بدن کو اس زمین سے مس کرتے تھے، اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: میں نے دیکھا ہے کہ حضور اکرمؐ اسی مقام پر تشریف فرماتے تھے۔“ (۴)

آٹھواں نمونہ: مامون کی سیرت، مامون نے یحییٰ ابن اثّم سے کہا: ”اگر کوئی شخص میرے پاس لکڑی کا کوئی ایسا لکڑا لے کر آئے جس کی قیمت ایک درہم سے زیادہ نہ ہو لیکن وہ یہ کہہ دے کہ یہ چیز رسول اسلام سے منسوب ہے تو باوجود اس کے کہ اس کی سچائی ثابت نہیں اور اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا لیکن میں پھر بھی پیغمبر اسلام

۱. سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۲۱۳۔

۲. ایضاً.

۳. المغنی: ابن قدامہ، ج ۳، ص ۵۵۹۔

۴. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۲۰۶۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۵، ص ۳۵۹۔ ابن منکد ر صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں، لہذا انہوں نے حضور گلخواب میں دیکھا ہے حقیقت میں نہیں دیکھا۔

کی افعت کے پیش نظر اس چیز کو ایک ہزار درہم میں خریدنے کو آمادہ ہوں؛ میں اس کو اپنی پلکوں پر رکھوں گا، ہمیشہ اس کو دیکھوں گا اور متبرک شمار کروں گا، اس سے اپنی بیماری میں شفا حاصل کروں گا اور اپنے ہم منشیوں کی بیماریوں میں بھی استفادہ کروں گا، اسے جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا، مجھے بخوبی معلوم ہے کہ وہ ایک لکڑی کے طکڑے سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن چونکہ مجھ سے یہ کہا گیا کہ اس سے حضور اکرم کا دست مبارک مس ہوا ہے لہذا مجھے پسند ہے۔ (۱)

ابن کثیر کے بقول: یحییٰ ابن اثّم، اہل سنت کے مشہور و معروف علماء اور دانشوروں میں سے ہے۔ (۲)

ذہبی کے بقول: یحییٰ ابن اثّم، قاضی القضاۃ، فقیہ، علامہ اور اجتہاد کا امام ہے، مامون کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ وہ یک سیرت، عدالت پسند، خوش بین، دانا اور بڑا عالم تھا، وہ پیغمبر اسلام سے منسوب اشیاء کو متبرک سمجھتا تھا اور اس تبرک کو جائز گردانتا تھا، اس نے یہ عمل یحییٰ ابن اثّم سے بھی بیان کیا اور اس پر یحییٰ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس عمل کی تائید کی۔ (۳)

در فاطمہ زہر اسلام اللہ علیہا سے تبرک

امام حسین علیہ السلام کی دختر نیک اختر جناب فاطمہ (کبریٰ) جناب فاطمہ زہرا کے بیت الشرف میں قیام پذیر تھیں لیکن ان کو وہاں سے نکال کر بیت الشرف کو منہدم کر دیا گیا، بیت الشرف منہدم ہوتے وقت حسن شنی نے ایک پھر کی نشانی اپنے فرزند

۱. تاریخ بغداد: طیفور، ص ۲۵

۲. البداية والنهایة: ج ۰۱، ص ۳۱۶

۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۰۱، ص ۲۷۹

”جعفر“ کو دی اور انھیں روانہ کیا اور فرمایا کہ دیکھو اس پتھر کو گھر کی تعمیر میں استعمال کر رہے ہیں یا نہیں؟ جعفر گئے اور ثبت جواب ملاتو آپ فوراً سجدے میں گر کر شکر خدا بجالائے اور فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اس پتھر کو گھر میں لگادیا گیا کیونکہ یہ پتھروہ تھا جس پر حضور اکرم نماز پڑھا کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے شک ہے کہ شاید یہ کہا تھا کہ اس پتھر پر فاطمہ زہرا نماز پڑھتی تھیں؛ امام رضا فرماتے ہیں: ”امام حسن و امام حسین علیہما السلام اسی پتھر پر دنیا میں آئے“۔

راوی بیان کرتا ہے: ”حسین بن عبد اللہ بن عبد اللہ، جو ہمارے درمیان معتبر شخصیت ہے، اگر وہ کبھی بیمار ہو جاتے تھے تو اس پتھر سے ذریت جھاڑ کر اس سے اپنا بدن مس کرتے تھے“۔ (۱)

یہاں یہ سوال سڑاٹھاتا ہے کہ جس پتھر پر جناب فاطمہ نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو جنم دیا، یا جس پتھر پر آپ نے یا رسول اسلام نے نماز پڑھی وہ پتھر اتنا باعظمت ہو گیا! جب ان سے منسوب پتھر اتنا محترم ہو گیا تو پتھر حضور اکرم کی تربت پاک کیسے محترم نہ ہو گی؟ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اپنی حاجات کو قبرِ نبوی کے پاس طلب کریں؟۔

کوہ مرودہ سے تبرک

مردی ہے کہ حضرت علیؑ نے رازِین کونا نہ تحریر کیا جس کا مفہوم یہ تھا: ”میرے لئے کوہ مرودہ کے پتھر کا ایک ٹکڑا روانہ کروتا کہ میں اس پر نماز پڑھوں اور اس کو اپنی سجدہ گاہ قرار دوں“۔ (۲)

۱. کشف الارتیاب: ص ۳۵۳

۲. وفاء الوفاء: ج ۱، ص ۱۱۵

بعض قبروں اور جنائزوں سے تمک

- ۱۔ ایک شخص نے سعد بن معاذ کی قبر سے ذرا سی خاک اٹھائی اور اپنے ساتھ لے گیا، بعد میں جب غور کیا گیا تو اس خاک سے مشک کی خوبیواری تھی۔ (۱)
- ۲۔ عبداللہ حدای، ترویہ کے روز ۱۸ جیہی میں قتل ہوئے، ان کی قبر کی مٹی سے مشک کی خوبیواری اور لوگ اس مٹی کو اٹھا کر اپنے لباس پر مل رہے تھے۔ (۲)
- ۳۔ معروف کرنی کی قبر کے بارے میں ابن جوزی کا بیان ہے: ”ان کی قبر بغداد میں آشکار ہے جو تمبر شمار ہوتی ہے“ ابراہیم حربی کا بیان ہے: ”معروف کرنی کی قبر زہر مولا (زہر کی کاٹ) ہے۔“ (۳)

- ۴۔ اہل سنت کے مشہور پیشواؤ امام احمد بن حنبل، کی قبر معروف ہے، لوگ اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور اسے تمبر کہا جاتا ہے۔ (۴)
- ۵۔ شافعی مذهب فقیہ ”خضر بن نضر اربی“ کی قبر کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے: ”لوگ ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، میں خود بھی کئی بار زیارت کی غرض سے گیا ہوں، میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ان کی قبر کے پاس نالہ و گریہ کرتے ہیں، سو گ

۱. الطبقات الکبریٰ: ج ۳، ص ۱۰۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۲۸۹۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت عظیم شخص تھے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو عرش الہی میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ (سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۲۷۹)۔ ہم بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ سعد بن معاذ عظیم صحابی تھے۔ (معجم رجال الحديث: آیة اللہ خوئی، ج ۸، ص ۱۹۔ تتفقیح المقال: ج ۲، ص ۲۱۔ مستدرکات عالم الرجال: ج ۲، ص ۵۳)۔
۲. حلیۃ الاولیاء: ج ۲، ص ۲۵۸۔ تہذیب الکمال: ج ۵، ص ۳۱۰۔
۳. صفة الصفوة: ج ۲، ص ۳۲۲۔
۴. مختصر طبقات الحنابلة: ص ۱۲۳۔

مناتے ہیں اور اس قبر کو متبرک گردانتے ہیں۔ (۱)

اس بنابر صحابہ، تابعین اور راویوں کی سیرت رہی ہے کہ یہ تمام لوگ رسول اللہ سے منسوب اشیاء کا احترام کرتے تھے اور انہیں متبرک شمار کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے بال، اس مشک کا دہانہ جس پر آپؐ نے لب مبارک مس کر دیا، آپؐ کے نقش قدم، آپؐ کے ناقہ کے نقش قدم، وہ لکڑی جو آپؐ سے منسوب ہو گئی اور آپؐ کی قبر اطہر غرض تمام اشیاء کو قبل قدر شمار کرتے تھے، حالانکہ یہ تمام لوگ معمولی افراد نہیں تھے، صحابی، تابعی اور راوی کی منزلت سے کون فرد بشرط آگاہ نہیں ہے!۔

ان تمام خصوصیات کے باوجود این تیہیہ اس بات پر کیوں مصر (بے ضد) ہے کہ قبور کو متبرک شمار کرنا بالخصوص حضور اکرمؐ کی تربت پاک سے تبرک حاصل کرنا کفر ہے؟! کیا وہ اپنی بات پر قائم رہے گا! کیا وہ صحابہ و تابعین اور زادۃ احادیث کو بھی اسی زمرہ میں شمار کرے گا!؟۔

۶۔ نور الدین زنکی کے متعلق ابن کثیر کا بیان ہے: ”ان کی قبر دمشق میں لوگوں کی زیارتگاہ ہے، قبر سے بہت دور در پیچے بنائے گئے ہیں جن کو مشک و غبر سے معطر کیا جاتا ہے، اور جو بھی اس طرف سے گزرتا ہے اس قبر کو متبرک شمار کرتا ہے۔“ (۲)

۱۔ البداية والنهاية: ج ۱۲، ص ۳۵۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۲۰۳۔ زیارت، نالہ و گریہ، سوگواری اور متبرک شمار کرنا! وغیرہ جیسے امور میں خضر بن نظر کی تربت کے لئے تو کوئی بدعت کا فتوی نظر نہیں آتا! آخر بدعت کا فتوی صرف ہم سے مخصوص کیوں ہو گیا؟ (مترجم)۔

۲۔ البداية والنهاية: ج ۱۲، ص ۳۵۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۲۰۳۔ یہ شام کا حاکم تھا جوزہ برادر بھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتا تھا، لوگ اس کو نیک خصلت حاکم کے نام سے یاد کرتے تھے، اس نے یورپ سے جہاد کیا اور کافروں کے ہاتھوں سے تقریباً پچھاں شہروں کو آزاد کرایا۔ (البداية والنهاية: ج ۱۲، ص ۳۰۶)

۷۔ ابن تیمیہ کے جنازہ میں لوگوں کا ایک بڑا نبوہ تھا یہاں تک کہ راستہ بند ہو گیا، لوگ دور راستے طریقے کے آرہے تھے اور اپنے عماموں کو اس کے تابوت سے مس کر رہے تھے، مجع کی مقدار کچھ اتنی زیادہ ہو گئی کہ اس کا تابوت بھی ٹوٹ گیا، اس کے غسل دیئے ہوئے پانی کو لوگ تبرک کے عنوان سے پی رہے تھے، جو سدر پانی میں ملنے سے نقی گئی تھی اس کو لوگوں نے خرید لیا اور اپنے درمیان تقسیم کر لیا، یہاں تک کہ اس کے جنازہ پر کمکھی اور مچھروں سے حفاظت کے لئے مجھر دانی لگائی گئی تھی اس کو بھی ایک سوچا س درہم میں خرید لیا۔ (۱)

اس منظر کو پڑھنے کے بعد ایک اہم سوال اٹھتا ہے کہ جو ابن تیمیہ ان تمام اشیاء کو بدعت شمار کرتا تھا، کیا اس کے تمام پیر و کار مشرک و کافر تھے؟ کیا اس کے جنازہ میں ایک مسلمان نے بھی شرکت نہیں کی؟ کیا اس کی تشقیچ جنازہ میں تمام مشرک تھے؟ (۲) لیکن روایات و احادیث کے پیش نظر جنازہ اور تابوت سے ہاتھ مس کرنا مسلمانوں کے درمیان راجح اور عقل کے مطابق تھا لہذا اس کے خلاف فتویٰ دینا عقل و شریعت کے خلاف شمار ہوتا ہے۔

۱. البداية والنهاية: ج ۱۲، ص ۱۳۶۔ الکتبی و الالقباب: ج ۱، ص ۲۳۷۔ اے کاش ابن تیمیہ دوبارہ زندہ ہو جاتا اور اپنے ملکیتیں کے بارے میں نظر یہ دیتا کہ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ یہ لوگ کتنے بڑے کافروں اور جاہلیں! یہ تو مردہ کو غسل دیئے ہوئے پانی کو بھی پی رہے ہیں۔ (متترجم)۔

۲. اگر ایسا ہی تو خود ابن تیمیہ کا ایمان بھی زیر سوال آتا ہے، اس کا ایمان بھی مغلوب ہے کہ وہ مسلمان تھا یا نہیں؟ کیونکہ اگر مسلمان ہوتا تو اس کے جنازہ میں مسلمانوں نے شرکت کی ہوتی! اس کے جنازہ میں ایک بھی مسلمان کا نہ ہونا بلکہ تمام مشرکوں کا شریک ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بھی مشرک تھا۔ (متترجم)۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

۸۔ بخاری کی وفات اور ان کے دفن کے متعلق سبکی کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں: ”لگوں نے ان کی قبر سے تبرک کی خاطر اس قدر مٹی اٹھائی کہ قبر کا داخلی حصہ نظر آنے لگا، چونکہ قبر کی حفاظت نہایت ضروری تھی لہذا ہم نے مٹی کی جگہ لکڑی لگادی تاکہ لوگ قبر کو خراب نہ کریں“۔ (۱)

کیا امام بخاری کی قبر کو تبرک شمار کرنے والے لوگ کافر ہیں؟ کیا ان کے جنازہ میں تمام کافروں نے ہی شرکت کی اور انھیں دفن کیا؟۔ (۲)

مسلمانوں پر ایسا بہتان باندھنا بہت بڑی گستاخی ہے، لیکن افسوس کہ اس قوم کے درمیان سے حق گوئی، صداقت، دیانت اور اچھی بات رخصت ہو چکی ہے، اور تمہت تراشی دین اسلام اور سنت پیغمبر کے خلاف ہے۔

بہر حال ان مطالب سے زیادہ بیان ضروری نہیں ہے، یہاں تک یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ سے آج تک قبروں سے تبرک حاصل کرنا اسلامی معاشرہ میں راجح رہا ہے اور کسی بھی فقیہ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ تمام فقهاء نے یہ تصریح کی ہے کہ عمل جائز اور پسندیدہ بلکہ مستحب ہے۔

۱۔ طبقات الشافعیۃ: ج ۲، ص ۲۳۳۔ سیر اعلام البلا: ج ۱۲، ص ۳۶۷۔

۲۔ مسلمان کی میت میں مسلمان ہی شرکت کرتے ہیں اور کافر کی میت میں کافر ہی شرکت کرتے ہیں لہذا ابن تیمیہ کو فتویٰ دینے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ یہ لگائی آگ خود اسی کے چون کو خاکستر نہ کر دے۔ ابن تیمیہ کی مانند بخاری کا ایمان بھی خطرہ کی زد میں ہے کہ ان کے جنازہ میں کسی مسلمان نے شرکت نہیں کی بلکہ سب کافر تھے۔ (مترجم)۔



استغاثہ اور حاجت طلبی

وہاں پر کاظمیہ

ابن تیمیہ مردہ سے استغاثہ اور درخواست کے متعلق کہتا ہے: "اگر عالم بزرخ میں موجود لوگوں سے ہم یہ کہیں: ہماری فریاد کو سنو، ہماری شفاعت کرو، ہمیں ہمارے دشمنوں سے بچاؤ (اور ان جیسے دیگر جملے جو خداوند عالم کے لئے استعمال ہوتے ہیں) ایک قسم کا شرک شمار ہوتا ہے۔"

اسی طرح (ابن تیمیہ) زیارت القبور والاستجد بالمقبرہ نامی کتابچہ میں رقم کرتا ہے: "اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا کسی صالح کی قبر پر جائے اور وہاں اپنی حاجت طلب کرے مثلاً اپنی بیماری سے شفا کی دعا، قرض کی ادائیگی یا اس قسم کی دیگر دعائیں (جو صرف

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

خداوند عالم کے دست قدرت میں ہے) آشکار شرک شمار ہوتا ہے، ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہئے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے تنخواہ دار پر چڑھادینا چاہئے۔“ (۱)

ابن تیمیہ نے ایک جگہ کچھ یہ انداز اپنایا: ”بہت سے گمراہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص خدا کی بہبیت مجھ سے زیادہ نزدیک ہے اور میں خدا سے دور ہوں، میں فقط اسی شخص کے وسیلہ سے خدا سے دعا کر سکتا ہوں اور اسی طرح کی دوسرا باتیں جو مشرکین کی زبانوں پر جاری ہوتی ہیں۔“ (۲)

محمد ابن عبد الوہاب کا یہ اعتقاد تھا: ”غیر خدا سے دعا اور استغاثہ، دین سے خارج ہونے، مرتد و مشرک ہونے اور بت پرستوں کی صفائی میں آنے کا باعث ہوتا ہے؛ ایسے شخص کمال و متع او راس کی جان مباح ہے سوائے اس کے کوہ توبہ کر لے۔“ (۳)

اس نظریہ کا تقدیمی و تحقیقی جائزہ

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ غیر خدا سے دعا کرنے کے تین طریقے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ فقط شخصیت کا نام لے کر آواز دیں، مثلًا: یا محمد! یا عبد القادر! یا اہل الہیت!۔
- ۲۔ اس انداز میں دعا کرے: میری شفاعت فرمائیے اور خدا سے میری حاجت برآوری کی انجام کیجئے۔
- ۳۔ اس انداز میں دعا کرے: میرا قرض ادا کیجئے، میرے مریض کو شفاد تجھے؛ یا یوں کہے: اے محمد! اپنے فضل سے مجھے بے نیاز کر دتے جئے۔

۱. الہدیۃ السنیۃ: ص ۳۰.

۲. کشف الارتیاب: ص ۲۱۳۔ الجامع الفرید: ص ۳۹۵.

۳. ایضاً. کشف الشبهات: ص ۵۸.

ہماری نظر میں یہ تینوں مذکورہ طریقے درست ہیں اور اس طرح دعا میں کوئی حرج نہیں ہے، شرک تو بہت دور کی بات ہے!۔ کیونکہ خدا نے واحد کا پیروکار (مسلمان) کا یہ ایمان ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی مستقل طریقہ سے اپنے آپ کو یادو سرے کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا! سوائے اس کے کہ خداوند عالم کا اذن شامل حال ہو، اگر وہ قادر مطلق چاہے تو اس شخص کے ذریعہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اسی طرح کسی ضرر کو بھی دور کر سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا کسی کو اپنا وسیلہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری بہ نسبت خدا سے زیادہ نزدیک ہے، اگر وہ خدا کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کر دے تو یقیناً قبول ہوگی۔

دنیٰ واسلامی تعلیمات کے پیش نظر ایسے امور انجام دینے والے کو صحیح شمار کرنا چاہئے اور بغیر دلیل کے اس کی جان یا اس کا مال مباح قرار نہیں دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اے محمد! خدا سے میری حاجت طلب کیجئے؛ درحقیقت یہاں اس کی مراد خداوند عالم ہی ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اے محمد! میری حاجت روائی کیجئے تو درحقیقت اس مقام پر فعل کو اس کے مسبب کی جانب نسبت دی گئی ہے، یہ بالکل ایسے ہی جیسے ہم کہیں: ”موسم بہار نے سبزہ اگا دیا۔“ (۱)

قرآن کریم میں بھی متعدد مقامات پر بہت سے امور کی بہ نسبت بظاہر بندہ کی جانب دی گئی ہے، جس کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ﴿وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ وہ لوگ فقط یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خداوند عالم اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے

.....

۱۔ کیا واقعاً بہار نے سبزہ اگایا ہے؟ نہیں بلکہ خداوند عالم نے اگایا ہے موسم بہار تو صرف سب بنا ہے۔ اسی طرح ہم بھی سبب اور وسیلہ تلاش کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہر کام خداوند عالم ہی انجام دیتا ہے۔ (متترجم)۔

بے نیاز کر دیا۔ (۱)

ہمیں یہ معلوم ہے کہ انسانوں کو صرف خداوند عالم ہی بے نیاز کر سکتا ہے لیکن اس آیت میں خدا نے اپنے رسول کو بھی شریک قرار دیا ہے (۲)؛ حالانکہ وہاں پر کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص پیغمبر اکرم سے رزق طلب کرے وہ کافروں مشرک ہے۔
 ۲۔ ﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَأَكْسُوهُمْ﴾ اس کے منافع سے ان کو روزی دواور انھیں لباس پہنادو۔ (۳)

۳۔ ﴿وَلَوْ أَنْهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُوتُيَّنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ﴾ اور اگر وہ اسی پر راضی ہو جاتے جو انھیں خدا و رسول نے عطا کیا ہے اور کہتے کہ ہمارے لئے خدا کافی ہے اور بہت جلد خدا و رسول ہمیں بخش دیں گے۔ (۴)

۴۔ خداوند عالم نے مادرزادنا بینا کی بینائی پلٹانے اور برص و جذام والے شخص کو شفاذینے کی نسبت خود جناب عیسیٰ کی جانب دی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

۱. سورۃ توبہ /۷۲۔ المیزان: ج ۹، ص ۳۵۹۔

۲. ایک روز ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد امام نے فرمایا: «الحمد لله رب العالمین، پروردگار یہ غذائی جانب سے اور تیرے پیغمبری جانب سے تھی»۔ ابوحنیفہ نے کہا: اے ابو عبد اللہ! کیا خدا کا شریک قرار دے رہے ہیں؟ امام نے فرمایا: تھوڑا صبر سے کام لو، ابھی بتاتا ہوں، پروردگار عالم غرماتا ہے: ﴿وَمَا نَقْمُو إِلَّا إِنْ اغْتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (سورۃ توبہ /۷۲) ابوحنیفہ نے کہا: خدا کی قسم! گویا بھی تک میں نے آیت پڑھی ہی نہیں تھی۔ (کنز الفوائد:

ص ۲۶۹۔ وسائل الشیعۃ: ج ۲۲، ص ۳۵۱۔ بحار الانوار: ج ۲۷، ص ۲۲۰۔

۳. سورۃ نساء: ۵۔

۴. سورۃ توبہ /۷۲۔

﴿إِنَّمَا أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الظِّنِّ كَهْيَةَ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طِيرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ یعنی میں مٹی سے پرندہ کا مجسمہ بناتا ہوں اور پھر اس میں روح پھونکتا ہوں اور وہ اذن خداوندی کے تحت پرندہ بن جاتا ہے۔ (۱)

وہابی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم سے مریض کی شفا، قرض کی ادائیگی اور روزی طلب کرنا (چاہے اذن خداوندی کے تحت ہو) کفر اور شرک ہے۔ ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ مذکورہ بالا آیہ مبارکہ کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ کیا ان کی نظر میں جناب عیسیٰ بھی (معاذ اللہ) مشرک ہیں؟۔

سمہودی کا بیان

شافعی مذهب ”سمہودی“ کا بیان ہے: ”کبھی پیغمبر اکرم سے توسل و دعا کرنا اس بات کا سبب ہوتا ہے کہ انسان کی حاجات پوری ہو سکیں، درحقیقت آنحضرت سے توسل کرنا دعا کی درخواست ہے جو مختلف انداز میں بیان کی جاتی ہے مثلاً دعا، توسل اور استغاشہ۔ لہذا اگر کوئی شخص پیغمبر اکرم سے یہ کہے کہ میں آپ سے چاہتا ہوں کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر اکرم اس کی شفاعت فرمائیں تاکہ وہ جنت میں جائے۔“ (۲)

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ گناہوں کی بخشش، بیماروں کی شفا اور جنت میں پیغمبر اسلام کی ہمراہی صرف دست قدرت خداوندی میں ہے؛ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر کوئی مسلمان براہ راست پیغمبر سے طلب کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر ہی عطا کرتے ہیں اور اس امر میں خدا کا کوئی کردار نہیں!۔ استغاشہ اور مدد طلب کرنا یعنی

۱. سورہ آل عمران / ۳۹

۲. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۳۲۱

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

وہی دعا کرنا اور طلب حاجت، عقل اس کو منع نہیں کرتی، اس کے علاوہ کوئی آیت یا روایت بھی ایسی نہیں ہے جو اس امر سے منع کرتی ہو! یہاں تک کہ خود وہابی فرقہ بھی زندہ سے دعا کرنے کو جائز شمار کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کا بیان

پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: ”اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرے تو خداوند عالم ایک فرشتہ کو معین کرتا ہے، الہذا جب بھی وہ دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: خدا تیرے حق میں بھی یہی دعا قبول فرمائے“۔ (۱)

اس بنابر کوئی حرج نہیں ہے کہ غائب انسان کے حق میں دعا مستجاب ہو جائے! اسی دلیل کی بناء پر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ہم ان پر درود بھیجیں اور خدا سے آنحضرتؐ کا وسیلہ طلب کریں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: ”جب بھی تم موذن کی آواز سنوتو انھیں فقرتوں کو تم بھی دو ہرا جو فقرہ اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں اور بعد میں میرے اوپر درود بھیجو، کیونکہ اگر کوئی شخص میرے اوپر ایک بار صلوٰات بھیجے تو خداوند عالم اس پر دس بار صلوٰات بھیجتا ہے۔ پھر خداوند عالم سے میرا وسیلہ طلب کرو؛ وسیلہ، بہشت کا ایک درجہ ہے جو خداوند عالم کے بندوں میں سے ایک بندہ کی ملکیت ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ جو شخص خدا سے میرا وسیلہ طلب کرے، بروز قیامت اس کے مقدم میں میری شفاعت ہوگی“۔ (۲)

۱. رسالۃ زیارة القبور و الاستیجاد بالمقبور: ص ۵۵

۲. کشف الارتیاب: ج ۲، ص ۲۲۳

الہذا انسان کسی بھی شخص سے یہ خواہش ظاہر کر سکتا ہے کہ اس کے لئے دعا کرے، جیسا کہ حدیث صحیح میں مرقوم ہے: ”پیغمبر اسلام نے اویس قرقی کو یاد کرتے ہوئے عمر سے فرمایا: اگر تم چاہو تو ان سے اپنے لئے استغفار کی التجا کر سکتے ہو!“ - (۱) اسی طرح مردی ہے کہ ایک مرتبہ قحط پڑا تو لوگوں نے حضور اکرمؐ سے باراں رحمت کے لئے دعا کی التجا کی، پیغمبر اسلام نے دعا کی اور باراں رحمت نازل ہو گئی۔ (۲)

اس وضاحت سے یہ واضح ہو گیا کہ استغاثہ یعنی دعا کی درخواست، اور اس درخواست میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے مدد کرنے والا مدد چاہنے والے سے زیادہ اہمیت کا مالک ہو یا اس سے کم حیثیت کا حامل ہو یا اس کے برابر ہو۔

مُرْدُوں سے مدد طلب کرنا

وہ بیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ہم مردہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے لئے دعا کرنا اور وہ دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں: ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ کسی کو خدا کے ساتھ نہ پکارو (کسی کو اس کا شریک قرار نہ دو)۔ (۳)

اس اعتراض کا جواب دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے:

- ۱- دعا کے معنی صرف لغوی ہی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی بھی ہیں، لغوی اعتبار سے دعا کے معنی ہیں: ﴿لَا تَجْعَلُوا مَعَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءٍ بَعْضُكُمْ بَعْضاً﴾ پیغمبرؐ کی آواز کو اپنے درمیان بلند ہونے والی صداؤں کی مانند قرار نہ دو۔ (۴)

۱. کشف الارتیاب: ج ۲، ص ۲۲۱۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۲۶۔

۲. مستند احمد بن حنبل: ج ۳، ص ۲۳۵۔

۳. سورہ جن / ۱۸۔

۴. سورہ نور / ۲۳۔

۲۔ دعا کو درخواست اور طلب حاجت کے معنی میں مراد لینا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے لغوی معنی مراد لئے گئے ہیں یا یہ کہ عرف میں دعا، خدا سے درخواست کے معنی حقیقت ہے یا اس معنی میں مشہور ہو گیا ہے؛ اسی دلیل کی بنیاد پر دوسرے مفہوم کے اعتبار سے دعا کو عبادت کہا جاتا ہے، یہ آیت بھی اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے: ﴿أَدْعُونَى أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدُّخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ مجھے پکارو تو اکہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں، جن لوگوں نے میری عبادت سے تکبر اختیار کیا وہ بالیقین بہت جلد جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ (۱)

یہ بھی یاد رہے کہ ہر دعا یا غیر خدا سے کسی قسم کی طلب کو عبادت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اسی لئے منوع بھی فرائیں دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے کہہ کہ میرے پاس آؤ یا میری مدد کرو یا فلاں چیز مجھے دو یا میری فلاں حاجت کو پورا کردو، ان تمام صورتوں میں حاجت پوری کرنا نہ تو اس کی عبادت شمار ہو گا اور نہ ہی وہ کسی گناہ کا مرتبہ ہو گا۔

دعا کے اصطلاحی معنی

اس کے متعلق تین مفہوم کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے:

- ۱۔ غیر خدا سے دعا: کوئی شخص کسی شخص سے یہ سمجھتے ہوئے دعا کرے کہ یہ خدا سے بے نیاز، قادر، خود مختار اور مستقل ہے جیسے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تصور ہے۔
- ۲۔ ایسی دعا جس کو خدا نے منع کیا ہے جیسے مشرکوں کا پھر کے بتوں سے مدد مانگنا۔

۳۔ بعض لوگ فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے ہیں، ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور انھیں کو پکارتے ہیں، ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کے علاوہ فرشتے اور جن بھی مستقل ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْ شَالُكُمْ﴾ خدا کے علاوہ تم جسے بھی پکارتے ہو وہ تمہاری طرح خدا کا بندہ ہے (خدا نہیں ہے)۔ (۱)

یا ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيْعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يُنْصَرُونَ﴾ یعنی وہ لوگ جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے یہاں تک کہ وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ (۲)

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ یعنی کسی کو خدا کے ساتھ نہ پکارو (کسی کو اس کا شریک قرار نہ دو)۔ (۳)

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم سے مدد طلب کرنے کی نبی نہیں کی گئی ہے کیونکہ آپ سے درخواست کرنا مذکورہ بالاتینوں معانی میں سے کسی بھی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ آپ سے مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے خدا سے لو لگائی ہے کہ آنحضرت اس کے لئے خدا سے التجا کریں اور اس کی شفاعت کریں، اس صورت میں اگر خدا چاہے تو قبول کرے، نہ چاہے تو نہ قبول کرے!۔ لہذا اس قسم کی دعا کو منع نہیں کیا گیا کیونکہ اس دعا میں پیغمبر اکرم کا استقلال ثابت نہیں ہے اور صرف اس دعا کو منوع قرار دیا گیا ہے جس میں آپ کو مستقل (خدا سے بے نیاز) شمار کیا جائے۔

۱. سورہ اعراف / ۱۹۳۔

۲. سورہ اعراف / ۱۹۷۔

۳. سورہ جن / ۱۸۔

انبیاء الٰی سے مد طلب کرنا

وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء الٰی اور صالحین مردہ ہیں لہذا ان سے توسل کرنا صحیح نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا جائے کہ مردہ کچھ سنتا ہی نہیں ہے تو ان فقروں کا کیا فائدہ کہ یا رسول اللہ! میری داررسی کیجئے؛ یا رسول اللہ! میں آپ کے ذریعہ خدا تک پہنچا ہوں؛ یا رسول اللہ! میری حاجت روائی کیجئے۔

اس مسئلہ کا تفصیلی جواب شفاعت کی بحث میں دے چکے ہیں، یہاں بھی اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں: عقلی و شرعی اعتبار سے منوع نہیں ہے کہ پیغمبر الٰہی یا ولی خدا بعدوفات بھی توسل کرنے والوں کی صدارت کو سنے کیونکہ انبیاء الٰہی بعدوفات بھی زندہ رہتے ہیں اور خدا نہیں حیات جاوید سے نوازتا ہے، اس کے متعلق انس سے مردی رسول اسلام کی روایت ہے: ”انبیاء الٰہی اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں“۔ (۱)

اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے: ”اگر کوئی شخص اپنے ایسے برادر مومن کی قبر کے نزدیک سے گزرے جسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اس پر سلام کیجئے ایسی صورت میں وہ بھی اسے پہچانے گا اور سلام کا جواب دے گا“۔ (۲)

۱. یہی نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے، ابن حجر نے بھی فتح الباری میں ثابت شمار کیا ہے ان کا معیار یہ ہے کیونکہ فتح الباری، صحیح بخاری کی شرح ہے اور صحیح بخاری میں تمام روایتیں صحیح ہیں۔ (المقالات السنیۃ: ص ۱۱۲۳)۔
۲. مناوی نے اس روایت کو ابن عساکر کے حوالہ سے شرح جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے؛ حافظ عراقی کا بیان ہے: ”اس روایت کو ابن عبد البر نے کتاب تمہید اور کتاب استذکار میں ابن عباس کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور عبد الحق نے اس روایت کو صحیح شمار کیا ہے“، (المقالات السنیۃ: ص ۱۱۵۳)۔

بیہقی نے اس کے متعلق کہا ہے: ”سعید بن مسیب نے ابو ہریرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شب معراج پیغمبر نے بیت المقدس میں دوسرے پیغمبروں سے ملاقات کی اور نماز کے وقت تمام انبیاءؐ الٰہی نے آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی پھر تمام انبیاءؐ بیت المقدس میں جمع ہوئے۔“

دوسری تجھیک روایت میں ابوذر روا مالک بن صالحؓ سے منقول ہے: ”آنحضرتؐ نے شب معراج آسمانوں میں دیگر انبیاءؐ الٰہی سے ملاقات کی، آپؐ نے مویٰ کو ان کی قبر میں دیکھا کہ مویٰ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں، پھر تمام انبیاءؐ الٰہی نے آسمان کی جانب پرواز کی اور پیغمبر اسلام سے ملاقات کی، پھر تمام انبیاءؐ الٰہی جمع ہو کر بیت المقدس گئے اور رب نے آنحضرتؐ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔“

بیہقی نے اپنی لفظی کو جاری رکھتے ہوئے رقم کیا: ”پیغمبروں کی نماز عقلی اعتبار سے زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور روایات بھی اس بات کو ثابت کرتی ہیں جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر ان الٰہی بعد وفات بھی باحیات ہوتے ہیں۔“ (۱)

اس بنا پر تمام انبیاءؐ الٰہی زندہ ہیں اور اگر کوئی ان کو سلام کرتا ہے تو وہ سنتے ہیں، اس کے متعلق پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: ”جو بھی میری قبر کے نزدیک آ کر مجھے سلام کرتا ہے میں اس کے سلام کو سنتا ہوں“؛ لہذا جو درود و سلام انبیاءؐ الٰہی کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے وہ ان کی خدمت میں ضرور پھر و پختا ہے، اسی سبب آنحضرتؐ نے فرمایا: ”روز جمعہ مجھ پر زیادہ درود بھیجو کہ یہ درود مجھ تک پھر و پختا ہے۔“

۱. المقالات السننية في كشف ضلالات ابن تيمية: ص ۱۱۲.

دوسری طرف سے زندہ انسان سے مدار و معافی کی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

جیسا کہ قرآن کریم نے فرزندان یعقوبؑ کی زبانی بیان کیا ہے: ﴿يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾ اے بابا! ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے۔ (۲)

اسی طرح جناب یوسفؑ کی زبانی ارشاد ہوا: ﴿إِذْهُبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوَّةُ عَلَى وَجْهِي يَأْتِي بَصِيرًا﴾ میری قمیص کو لے جاؤ، اس کو میرے بابا کے چہرہ پر ڈال دینا ان کی بصارت واپس آجائے گی۔ (۳)

فتیقہ اہل سنت ”قسطلانی“ کا بیان ہے: ”بہتر ہے کہ زائر پیغمبرؐ بہت زیادہ دعا اور گریہ وزاری کرے، ان سے شفاعت طلب کرے اور آنحضرتؐ سے توسل اختیار کرے، شفاعت اس بات کی مقضی ہے کہ خداوند عالم شفع کے مرتبہ کا لاحاظہ کر کے اور اس کی شفاعت کو بندوں کے حق میں قبول فرمائے؛ پیغمبر اکرمؐ سے حیات میں یا بعد وفات؛ شفاعت طلب کرنا، مدد چاہنا اور توسل اختیار کرنا بلا مانع ہے اور ان امور میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ (۴)

۱. عبادہ بن صامت سے منقول ہے: ”ابو مکر نے کہا: ہمیں متحد ہو کر قیام کرنا چاہئے اور اس منافق سے پناہ حاصل کرنے کے لئے رسول خدا سے مد طلب کرنا چاہئے۔ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی میرے لئے قیام نہیں کرتا، بلکہ قیام خدا کے لئے ہوتا ہے۔“ (مسند احمد بن حبیل: ج ۵، ص ۷۱).

۲. سورہ یوسف / ۹۷.

۳. سورہ یوسف / ۹۳.

۴. المواہب اللدنیہ: ج ۳، ص ۷۲۱۔ یہ موضوع کتاب تحقیق النصرۃ اور کتاب مصباح الظلام میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

قبر رسول ﷺ پر نایبینا کا استغاش

قبرسوں پر عثمان ابن حنفی کا استغاش واضح ثبوت ہے کہ استغاش مسلمانوں بالخصوص صحابہ کرام کے درمیان رائج تھا۔

اس واقعہ کو طبرانی نے کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے: ”ایک شخص اپنی حاجت روائی کی خاطر مستقل دربار عثمان میں جایا کرتا تھا لیکن خلیفہ اس مظلوم کی جانب اپنی توجہ مرکوز نہیں کرتا تھا؛ ایک روز اس سائل کی ملاقات صحابی رسول ”عثمان بن حنفی“ سے ہوئی اور اس نے اپنی مشکل کو بیان کیا؛ ابن حنفی نے اس سے کہا: وضو کر کے مسجد میں جا کر دور کعت نماز پڑھو اور نماز کے بعد کہو: خدا یا! تجھے تیرے پیغمبر محمدؐ کا واسطہ، اے محمدؐ! میں آپؐ کے وسیلہ سے بارگاہ الہی میں التحا کر رہا ہوں کہ میری حاجت برآ اوری ہو؛ اس کے بعد اپنی حاجت بیان کرنا اور واپس آ جانا تاکہ میں تمہارے ساتھ چلوں! وہ شخص مسجد میں گیا اور ابن حنفی کی باتوں پر عمل کر کے واپس آ گیا اور عثمان کے دربار میں پہنچا، عثمان کے ایک گماشتنے اس کا ہاتھ پکڑا اور خلیفہ کے پاس لے گیا، خلیفہ نے اس کو اپنی مندر پر بیٹھایا اور پوچھا: تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی، خلیفہ نے اس کی حاجت پوری کی اور کہا: میں تمہاری حاجت کو بھلا بیٹھا تھا، آن ج یا آئی ہے؛ اگر کوئی اور حاجت ہو تو وہ بھی بیان کر دے۔“ (۱)

وہ شخص خلیفہ کے پاس سے ابن حنفی کے پاس گیا اور کہا: میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری سفارش کی ورنہ آپ کی سفارش سے پہلے خلیفہ نے میری حاجات کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی! ابن حنفی نے جواب دیا: خدا کی قسم!

۱. لیکن اس شخص نے دیگر حاجات کے بیان سے گریز کیا۔ (مترجم)۔

میں نے خلیفہ سے کوئی گفتگو نہیں کی ہے لیکن ہاں میں نے حضور اکرمؐ کے حرم و کرم کا مشاہدہ کیا ہے؛ میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک نابینا حضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اپنی نابینائی کی شکایت کی، پیغمبرؐ نے فرمایا: ”صبرا اختیار کرو“ اس نے پیغمبرؐ سے عرض کی: ”میرا کوئی رہنمائی نہیں ہے جو سہارادے سکے، یہ بیرے لئے بہت دشوار ہے“ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”وضو کر کے دور کععت نماز پڑھو پھر اس طرح دعا کرو“ ابن حنیف کا بیان ہے کہ میں ابھی حضور اکرمؐ کی خدمت میں ہی تھا کہ وہ شخص واپس آیا اور ایسا بینا تھا کہ گواہ بھی نابینا نہیں تھا۔ (۱)

ایک بزرگ مورخ کا کہنا ہے: ”مجھے یہ حدیث قبول ہے، لیکن اس بات میں شک ہے کہ اس حدیث کی بنیاض پیغمبرؐ سے توسل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟“ جی ہاں! اس مورخ نے کتاب توسل لکھی ہے جو وہابی افکار سے بے حد متاثر ہے کہ مردہ سے توسل کرنا حرام اور شرک ہے۔

اگرچہ یہ روایت اتنی زیادہ معتبر ہے کہ طبرانی نے بھی صحیح شمار کیا ہے اور اس روایت میں حکم دینے والا وہ عظیم صحابی رسول (عثمان ابن حنیف) ہے جس پر علیؐ اور عمر اعتبار کرتے تھے، یہاں تک کہ اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ روایت اس مورخ کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی ہے!۔ (۲)

۱. معجم الطبراني: ج ۹، ص ۳۰، ح ۸۳۱۱. المعجم الصغير: ج ۱، ص ۱۸۳. ڈاکٹر عزت علی عطیہ کا

بیان ہے: ”روایت ضریر توسل کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ (البدعة تحذیدها و موقف الاسلام منها: ص ۷۵۔ ۷۶).

۲. جب خداوند عالم کی جانب سے خود انسان کے کرتوں کے سبب اس کے قلب پر مہر لگ جاتی ہے تو

یہی انجام ہوتا ہے۔ (مترجم).

وہاں پر کایہ دعویٰ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی سنت پر عمل پیرا ہیں لیکن وہ اپنے دعوے پر ثابت قدم نہیں رہتے، جس کی ایک زندہ مثال یہی عثمان ابن عزیف کا واقعہ ہے۔ واقعاً جب انسان ان کی رفتار و گفتار میں تضاد دیکھتا ہے تو انکشافت بدندال رہ جاتا ہے!۔

اور دوسرا جانب سے عقل بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ انسان پہلے تو اپنے لئے ایک عقیدہ ایجاد کرے اور پھر اپنے عقیدہ کی موافقت میں روایات تلاش کرے!۔ بلکہ عقل کا تقاضہ ہے کہ انسان آیات و روایات کے ذریعہ اپنے دینی مسائل کا حل تلاش کرے۔ (۱)

مقبروں سے استغاشہ

اوائل اسلام سے آج تک مسلمانوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ وہ انبیاء الہی اور صالحین کی قبروں کے نزدیک جا کر استغاشہ کرتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ تمام علمائے کرام نے بھی اس امر کو جائز شمار کیا ہے جن میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ قبر رسول سے استغاشہ

بعض لوگوں نے دارمی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ”ایک مرتبہ مدینہ میں قحط پڑا تو لوگ عائشہ سے شکایت کرنے آئے، عائشہ نے کہا: رسول اللہ کے مزار پاک پر جاؤ اور ان کے روضہ کی چھت میں ایسا سوراخ کرو کہ آسمان اور قبر کے درمیان کوئی

.....

ا۔ تو سل، زیارت قبور، شفاعت اور مدد طلب کرنا وغیرہ جیسے امور بھی دین کے اہم مسائل میں سے ہیں لہذا ان کو بھی آیات و روایات کے زیر سایہ تلاش کرنا چاہئے نہ یہ کہا پی من گھڑت کہا نیا سنائے لگیں!۔ (متترجم)۔

چیز حائل نہ ہو، لوگوں نے اس فرمان پر عمل کیا؛ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ تمام خشک فضائیں ہریالی چھائی اور نام چوپائے چاق و چوبند ہو گئے۔ (۱)

عمر کا خزانچی (۲) ”مالک الدار“ بیان کرتا ہے: ”عمر کے دوران خلافت، ایک مرتبہ سخت قحط پڑا؛ ایک شخص پیغمبر اسلام کی قبر اطہر پر گیا اور دعا کی: اے پیغمبر خدا! آپ کی امت ہلاک ہوا چاہتی ہے، خدا سے ہمارے لئے بارش کی التجا کیجئے، اس شخص کے خواب میں حضور اکرم تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور کہو کہ خداوند عالم باران رحمت نازل فرمائے گا۔ سیف نے کتاب فتوح میں لکھا ہے کہ یہ خواب صحابی رسول (بیال بن حارث مرنی) نے دیکھا تھا۔ (۳)

۲۔ قاہرہ میں سر حسینؑ سے استغاثہ

حزاودی عدوی، سر امام حسینؑ کی تفصیلی تذفین بیان کرنے کے بعد قسطراز ہیں: ”یہ عظیم بارگاہ اسی قابل ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ زیارت کی جائے، اور اس کے ذریعہ خدا سے توسل کیا جائے، اور جو کچھ اس امامؑ کی زندگی میں طلب کیا جاتا تھا وہ اب بھی طلب کیا جائے کیونکہ آپؑ (۴) عقدہ کشا ہیں، ان کی زیارت ہر غمزدہ

۱. سنن الدارمی: ج ۱، ص ۵۶۔ سبل الهدی و الرشداد: ج ۱۲، ص ۳۳۔ وفاء الوفاء: ج ۲،

ص ۱۳۷۔ کشف الارتیاب: ص ۱۳۔

۲. خزانچی وہی ہوتا ہے جس کو دور حاضر میں کیشیر (Cashier) کہتے ہیں۔ (مترجم)۔

۳. فتح المباری: ج ۲، ص ۵۷۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۱۳۲۔

۴. امام حسینؑ کبھی اپنے بابا علیؑ کی مانند عقدہ کشا اور مشکل کشاۓ کائنات ہیں، تا تھی شاہد کے پیش نظر مشکل کشاٹی اسی خاندان پاک کے مقدار میں آئی ہے اور ہر امام کے دور امامت میں خلفائے دوران نے اپنی ہر مشکل کا حل اسی خاندان پاک کی فرد سے حاصل کیا ہے۔ (مترجم)۔

﴿٩٩﴾

کام دور کر دیتی ہے اور اسے خوشحال کر دیتی ہے، اس نورانی ہستی سے تو سل اختیار کرنے سے غبار آ لودل، قلب نورانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

حمزاوی مزید گویا ہیں: ”میرے استاد عارف (محمد شبلی عرف ابن ست) کے ساتھ ایک ناگوار حادثہ پیش آیا کہ ان کی تمام کتابیں چوری ہو گئیں جس کے سبب وہ بہت زیادہ پریشان ہوئے؛ مقام مدفن سر حسینؑ پر پہنچے اور چند اشعار کے ذریعہ حضرتؐ سے مدد طلب کی، زیارت کے بعد اپنے گھر کی جانب واپس آئے، جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئے کیا دیکھا کہ ان کی تمام کتابیں بالکل اسی طرح سمجھی ہوئی ہیں جیسے انہوں نے سمجھی تھیں اور ان میں سے ایک کتاب بھی کم نہیں ہے۔“ (۱)

۳۔ مدفن سر حسینؑ سے نابینا کا استغاشہ

شبراوی شافعی نے اپنی ایک کتاب ”الاتحاف بحب الالشرف“ کی ایک فصل کو مدفن سر حسینؑ سے مخصوص کیا ہے، اس فصل میں اس مقام کی اہمیت، زیارت کا شرف اور حضرتؐ کی بعض کرامتیں نقل ہیں، مصنف نے امام حسینؑ کی ایک کرامت کا کچھ اس انداز سے تذکرہ کیا ہے: ”مدفن سر حسینؑ کے نزدیک شمس الدین قعوینی نامی شخص سکونت پذیر تھا، وہ آشوب چشم میں بتلا ہو گیا اور وہ نابینا ہو گیا، وہ روزانہ پابندی سے اس مقدس مقام پر نماز صبح بجالاتا تھا اور نماز کے بعد ضرخ کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا تھا: میرے آقا! میں آپ کا ہمسایہ ہوں، میری بینائی ختم ہو گئی ہے، میں آپ کے وسیلہ سے خدا سے چاہتا ہوں کہ وہ میری بینائی پٹنادے، اگر ممکن ہو تو کم سے کم ایک ہی آنکھ کا نور واپس کر دے!“

۱۔ مشارق الانوار: حمزاوی، ج ۱، ص ۱۹۷۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۹۱۔

شمس الدین نے ایک شب خواب دیکھا کہ اس مقدس مقام پر ایک جماعت آئی ہے، اس نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا: پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ سر حسینؑ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں؛ وہ اسی مجمع کے شیخ میں چلا گیا اور وہی دعا مانگی جو دن میں مانگتا تھا۔ امام حسینؑ نے اپنے جدؐ بزرگوار کی جانب نگاہ کی اور رسول خداؐ سے شفاظلب کی، پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کو حکم دیا: اس کی آنکھوں میں سرمه لگا دو! علیؑ نے اطاعت پیغمبرؐ میں سر تسلیم ختم کیا اور سرمه دانی کاں کر اس شخص سے فرمایا: نزدِ یک آوتا کہ تمہاری آنکھوں میں سرمه لگاؤ!؛ وہ آگے بڑھا علیؑ نے سلامیؑ کو سرمه سے مملو کیا اور اس کی دائیں آنکھ میں لگایا، اس کی آنکھ میں ایک عجیب قسم کی حرارت پیدا ہوئی اور وہ حرارت اتنی تیز تھی کہ وہ چیخ اٹھا اور خواب سے بیدار ہو گیا، بیدار ہو کر دیکھا تو اس کی دائیں آنکھ کی بینائی واپس آچکی تھی، اور وہ عمر کے آخری ایام تک اسی آنکھ سے استفادہ کر سکتا تھا۔ (۱)

۲۔ ابن حبان کا قبر امام رضاؐ سے استغاثہ

ابن حبان کا بیان ہے: ”امام رضاؐ مامون کے دینے گے شربت سے سرز میں طوس پر شہید ہوئے، ان کی قبر اطہر سنابادنامی مقام پر ہے جو مومنین کی زیارتگاہ ہے، میں بھی کئی بار اس زیارت سے شرفیاب ہوا ہوں؛ جب تک میں طوس میں رہتا تھا تب تک اگر کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو میں اپنی مشکل کا حل حضرتؐ سے ہی حاصل کرتا تھا (۲)؛ خداوند عالم ان کے صدقہ سے میری مشکل حل کرتا تھا، یہ میں نے بارہا تجربہ

۱. الاتحاف بحب الاشراف: ص ۵۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۷۔

۲. کیونکہ یہ حلال مشکلات ”علیؑ“ کے پوتے ہیں، دوسری مناسبت یہ ہے کہ باب الحوانج ”امام کاظم“ کے فرزند ارجمند ہیں، تیسری مناسبت یہ ہے کہ یہ خامنہ آم ہو ہیں اسی وجہ سے ان کو امام ضامن کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور ایک مناسبت یہ ہے کہ آپ کا اسم ”گرامی“ بھی آپ کے جدا مجدد علیؑ کے نام پر علیؑ ہے۔

کیا ہے، خداوند عالم سے دست بدعا ہیں کہ ہمیں محبت پنیبر و آل پنیبر پر گامزن رکھے اور ہمیں اسی حالت میں موت آئے۔ (۱)

ابن حبان کا تعارف

ابن حبان کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے؛ آپ اہل خراسان کے امام، علامہ، حافظ اور عالم تجوید تھے، ان کی کتابیں مشہور ہیں؛ ایک زمانہ میں سمرقد کے قاضی تھے، دینی فقیہ اور بزرگ حافظ تھے، ابن حبان سے اہل سرقة علم حاصل کرتے تھے، انہوں نے صحیح مسانید بھی تحریر کیں جن کے نام ”کتاب الانواع والتفصیم“، ”کتاب التاریخ“ اور ”کتاب الضعفاء“ ہیں۔

ابو بکر خطیب نے ان کو شفہ شمار کیا ہے اور ان کے متعلق گویا ہیں: ”ابن حبان شفہ، ہوشیار، بافهم اور دانا تھے“۔ حاکم نیشیاپوری نے اس انداز میں تعریف کی ہے: ”ابن حبان فقه، حدیث، لغت اور وعظ کا ایک عظیم طرف تھے، بزرگ اور دانا افراد کی صفت میں شمار ہوتے تھے اور نیشیاپور میں ہمارے نزدیک ہی رہتے تھے۔“ (۲) کیا ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار ابن حبان پر بھی اس وجہ سے کفر و شرک کا فتویٰ لگاسکتے ہیں کہ وہ مسلسل امام رضا سے مدد طلب کرتے تھے؟۔

۱. کتاب الفقایت: ج ۲، ص ۳۰۲۔ الانساب: سمعانی، ج ۱، ص ۵۷۔

۲. سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۹۲۔ میزان الاعدال: ج ۳، ص ۵۰۶۔ النجوم الزاهرة: ج ۳،

ص ۳۲۲۔ طبقات المسیکی: ج ۳، ص ۱۳۱۔ الانساب: ج ۲، ص ۲۰۹۔ الوفی بالوفیات: ج ۲، ص ۳۱۷۔

۵۔ امام رضا کی قبر پر ابن خزیمہ کا گریہ

محمد بن مولل (۱) نے نقل کیا ہے: ”هم اہل حدیث کے پیشووا (ابو بکر بن خزیمہ) اور ان کے دوست (ابن علی ثقیفی) اور چند بزرگوں کے ہمراہ امام رضا کی زیارت کے لئے طوس گئے، ابن خزیمہ نے امام کی ضرخ کا کچھ اس انداز سے احترام کیا اور ایسی گریہ وزاری کی کہ ہم حیرت زدہ ہو گئے!“ (۲)

ابن خزیمہ کا تعارف

ذہبی نے ابن خزیمہ کی شان میں بیان کیا ہے: ”ابن خزیمہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، وہ شیخ الاسلام، اماموں کے امام، حافظ، جحت دین، فقیہ اور متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں؛ انہوں نے عالم شباب میں ہی فقه و حدیث پر دسترس حاصل کر لی تھی جس کی مہارت کے سبب آپ ضرب المثل بن گئے تھے؛ بخاری و مسلم نے آپ کے حوالہ سے روایات نقل کی ہیں (۳)؛ لیکن صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نقل نہیں کی ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے: ”ابو بکر بن خزیمہ کی برکت سے خداوند عالم اس شہر سے بلا ول کو دور کرتا ہے“۔ دارقطنی کا بیان ہے: ”وہ نظرِ امام و پیشووا تھے۔“

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے: ”انہوں نے سنت رسول کو زندہ کیا، وہ احادیث پیغمبر سے بڑی دلائی کے ساتھ لطیف نکات حاصل کرتے تھے، عظیم نقاد تھے، روایات

۱. ابو بکر المسرجی عرف ابن مولل: اہل نیشاپور کے امام و پیشووا اور سخنور تھے۔ ان کا بیان فتح تھا، انہوں نے روایات حدیث کے لئے ایک گھر بنایا تھا اور ان کی معیشت کا اہتمام کرتے تھے۔ سلمی، حاکم اور سعید بن محمد بن محمد بن عبدالان نے ان کے حوالہ سے روایات نقل کی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۲۳).

۲. تهذیب التهذیب: ج ۷، ص ۳۳۹

۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۱۲، ص ۳۶۵

حدیث کو خوبی پہچانتے تھے اور اپنے علم و دانش کے سبب لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر بنالیا تھا۔ (۱)

ابن حاتم کا بیان ہے: ”وہ ایسے امام تھے جن کی اقتدا کی جاتی تھی۔“

ان تمام اوصاف کے ساتھ کیا ابن تیمیہ میں یہ جرأت ہے کہ ابن خزیمہ کو امام رضا کی قبر پر گریہ کرنے پر مشرک و کافر شمار کرے؟ کیا وہ ابن خزیمہ اور ان جیسے افراد کے متعلق متفق نظر یہ دینے کا حق رکھتا ہے؟

قبوں سے استغاثہ کے چند نمونے

۱۔ حاکم نے ابوایوب انصاری کی قبر کے بارے میں بیان کیا ہے: ”لوگ ان کی قبر کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور خلائق کے عالم میں ان کی قبر پر باران رحمت کی دعا کرتے ہیں۔“ (۲)

۲۔ ابو علی خذال کا بیان ہے: ”جب بھی کبھی مجھے کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو میں امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر کا رخ کرتا تھا اور ان سے توسل کرتا تھا، خداوند عالم ان کے طفیل سے میری حاجت روائی فرماتا تھا۔“ (۳)

۳۔ جب امام شافعی بغداد جاتے تھے تو ابوحنیفہ کی قبر پر جا کر توسل کرتے تھے، زیارت کے لئے ضریح کے پاس جاتے تھے اور سلام کرتے تھے، امام شافعی اپنی حاجات طلب کرنے کے لئے ابوحنیفہ کو وسیلہ قرار دیتے تھے۔ (۴)

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۳۷۳۔

۲۔ مستدرک حاکم نیشاپوری: ج ۷، ص ۵۱۸۔ صفة الصفرة: ج ۱، ص ۳۷۰۔

۳۔ تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۰۔

۴۔ کیا امام شافعی کے عمل کے بعد بھی ابن تیمیہ و سیلہ کو بدعت بتائے گا!؟۔ (متجم)۔

منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل، امام شافعی سے توسل کرتے تھے، اور توسل بھی ایسا کہ خود ان کا بیٹا حیرت میں پڑ گیا! امام احمد نے بیٹے سے کہا: شافعی، لوگوں کے لئے سورج کی مانند اور بدن کے لئے سلامتی کی مثال ہیں؛ جب امام شافعی نے دیکھا کہ لوگ امام مالک سے متول ہوتے ہیں تو ان کو پسند نہیں آیا اور کہا: میں خود ابوحنیفہ سے توسل کرتا ہوں اور ان کی قبر کو مبارک جانتا ہوں، جب بھی مجھے کسی مشکل کا سامنا ہوتا ہے تو میں ان کی قبر کے پاس دور کعت نماز پڑھتا ہوں اور خدا سے حاجت طلب کرتا ہوں۔ (۱)

۳۔ احمد بن حنبل کی قبر کے متعلق ابن جوزی کتاب مناقب احمد میں عبد اللہ ابن موسیٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”میں اپنے باپ کے ساتھ رات کی تاریکی میں احمد بن حنبل کی قبر کی زیارت کے لئے گیا، پھر نچتے پھر نچتے بہت زیادہ تاریکی چھا گئی، میرے باپ نے کہا: بیٹا! آواز نیک بندہ کے وسیلے سے خدا سے دعا کریں کہ یہ تاریکی، نور میں بدل جائے، تمیں سال ہو گئے ہیں کہ میں ان کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں اور خداوند منان مستجاب فرماتا ہے۔ اس کے بعد میرے باپ نے دعا کی اور میں نے آمین کہا، دعا کرتے ہی آسمان کی تاریکی چھٹ گئی، چار سو چاندنی بکھر گئی اور ہم با آسانی قبر تک پہنچ گئے۔“ (۲)

۵۔ ابن فورک اصفہانی کی قبر، نیشاپور کے جوار ”حیرہ“ میں واقع ہے جو لوگوں کی زیارتگاہ ہے اور وہاں طلب باران کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ (۳)

۱. خلاصة الكلام: زینی دحلان، ص ۲۵۲۔ تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۲۳۱۔ مناقب ابوحنیفہ:

خوارزمی، ج ۲، ص ۱۹۹۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۹۲۔

۲. مناقب احمد: ص ۲۷۶۔ وفیات الاعیان: ج ۳، ص ۲۷۲۔

محمد بن حسن عرف ابن فورک، اشعری مذهب اور علم کلام کے استاد تھے؛ ذہبی اور ابن حزم نے ان کی جانب ایسی حرکتوں کی نسبت دی ہے کہ کوئی مسلمان انجام نہیں دے سکتا اور اگر وہ کام کوئی مسلمان انجام دے تو کفر و شرک کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے۔ (۱)
۶۔ احمد بن علوان کی قبر کے متعلق یافعی کا بیان ہے: ”جوف قہاء ان کی فضیلت کے قائل نہیں تھے خود ان کی اولاد میں ابن علوان کی قبر پر جاتیں، تو سل کرتیں اور سلطان کے خوف سے بھی اسی قبر کو انی پناہ گاہ شمار کرتی تھیں۔“ (۲)

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی ولادت سے تقریباً تین سو سال قبل، اہل سمرقد بخاری کی قبر سے توسل کرتے تھے، طلب باران کی دعا کرتے تھے اور استغاثہ کرتے تھے!۔

اس کے متعلق سبکی کا بیان ہے: ”سمرقد میں کئی مرتبہ خط کا سانحہ پیش آیا، لوگوں نے بہت دعائیں کیس لیکن مستجاب نہیں ہوئیں، صلاح نامی صالح انسان قاضی کے پاس گیا اور کہا: میں ایک رائے دینا چاہتا ہوں۔ قاضی نے پوچھا: کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: تم تمام لوگوں کو لے کر محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر پر جاؤ اور سب لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کریں، امید ہے کہ خداوند عالم باران رحمت کا نزول فرمائے گا، قاضی کو اس کا مشورہ پسند آیا اور لوگوں کو لیکر بخاری کی قبر پر پہنچ گیا، لوگوں نے وہاں جا کر گریہ کیا اور صاحب قبر سے شفاعت طلب کی، خداوند عالم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بارش نازل ہو گئی اور بارش بھی اتنی تیز کہ لوگ سمرقد والبیں نہ جاسکے بلکہ سات روز تک خرنک نامی مقام پر ٹھہرنا پڑا جو سمرقد سے ۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔“ (۳)

۱. سیر اعلام النبلاء: ج ۷، ا، ص ۲۱۵۔ طبقات الشافعیۃ: ج ۲، ص ۱۳۰۔

۲. مرآۃ الجنان: ج ۲، ص ۳۵۷۔ ۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۱۲، ص ۳۶۹۔

شاید ابن تیمیہ کو اس واقعہ کی خبر نہیں! اور نہ وہ ان پر بھی کفر کا فتنی لگادیتا، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس کے لئے ثابت نہ ہوا ہو!۔

توسل کے متعلق امام قیروانی کا نظریہ

امام قیروانی مالکی نے ”زيارة القبور“ میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے رقم کیا: ”پیغمبروں اور رسولوں کا احترام یہ ہے کہ زائران کی مبارک قبروں پر جائے اور دور سے ہی زیارت کی نیت کرے، جب زائر قبر کے نزدیک پہنچے تو نہایت ہی خضوع و خشوع کو اپنائے، حقارت کے ساتھ جائے، دل شکستہ ہو اور قبر مطہر پر بصیرت کی نگاہوں سے نظر کرے کیونکہ ان ہستیوں کے اجسام طاہرہ نہ تو بوسیدہ ہوتے ہیں نہ ہی کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ پھر خدا کی حمد و شنا کرے اور نماز پڑھئے، نماز کے بعد اپنی حاجت طلب کرے اور اپنے گناہوں کی بابت استغفار کرے اور یہ یقین رکھے کہ صاحب قبر کی برکت سے اس کی حاجت روائی ہوگی کیونکہ یہ ہستیاں خداوند عالم کے باب اجابت ہیں اور خداوند عالم کی یہ سنت ہے کہ وہ ان ہستیوں کے وسیلہ سے دعائیں مستجاب فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان مبارک قبروں تک دست رتی حاصل نہ کر پائے تو اپنے وطن سے ہی سلام بھیجے اور اپنے گناہوں کی بابت استغفار طلب کرے، کیونکہ یہ ایسی ہستیاں ہیں کہ اگر ان سے کوئی چیز طلب کی جائے یا ان سے توسل کیا جائے تو اپنے سائل کو خالی ہاتھ اور نامید نہیں پلٹا تیں۔ امام قیروانی، مذکورہ بالا فضائل کے علاوہ پیغمبر اسلام کی شان میں مزید بیان کرتے ہیں: کیونکہ آنحضرت ایسے شفیع ہیں جن کی شفاعت قول ہوگی، جو شخص آپ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہے وہ آپ کی قبر پر آئے، مدد طلب کرے اور استغاثہ کرے تو ہر گز نامید نہیں پلٹے گا، لہذا پیغمبر اسلام سے توسل اختیار کرنا گنہگار انسان کے گناہ اور خطاؤں کے خاتمہ کا باعث قرار پاتا

(۱) ہے۔

یہ تمام مذکورہ دلائل و شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ مردہ سے دعا کرنا، تو سل کرنا اور استغاثہ کرنا مسلمانوں کے درمیان رائج رہا ہے، جیسا کہ بیان ہوا کہ ایک حنبلی مذہب بزرگ کسی مشکل کے وقت امام کاظمؑ سے تو سل کرتا تھا۔ امام شافعی بھی ابوحنیفہ سے تو سل کیا کرتے تھے؛ امام احمد بن حنبل بھی اپنی حاجات میں امام شافعی کو وسیلہ بناتے تھے۔ ابن حبانؑ اور ابن خزیمؑ، امام رضاؑ سے تو سل کرتے تھے۔ اہل سرقد، بخاری کی قبر پر بارانِ رحمت کی دعا کرتے تھے! عائشہ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ بارش کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی قبر پر جاؤ اور استغاثہ کرو!۔

بہر حال اہل سنت کے مشہور و معروف علماء کرام نے انیائے الہی، صالحین، صحابہ اور اولیاء الہی کی قبروں سے تو سل اختیار کیا اور ان سے استغاثہ کیا۔ اگر ابن تیمیہ میں جرأت ہو تو ان پر کفر کا فتوی لگا کر دکھائے!۔

شیخ سلامۃ عزماً کا بیان ہے: ”ابن تیمیہ نے آنحضرتؐ کی شان میں بھی جسارت کی ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا حرام ہے اور بعد وفات ان سے استغاثہ کرنا شرک شمار ہوتا ہے، البتہ بعض مقامات پر اس عمل کو شرک اصغر کہا ہے اور بعض مقامات پر شرک اکبر سے تعبیر کیا ہے۔ ہم سب اس بات سے واقف ہیں کہ خالق حقیقی خداوند عالم کی ذات ہے اور آنحضرتؐ فقط ایک وسیلہ ہیں جو خالق مخلوقات کے درمیان واقع ہے کیونکہ خدا نے آپؐ کو تمام خیر و خوبی کا سرچشمہ بنایا ہے، یہی سبب ہے کہ آپؐ کی شفاعة مقبول بارگاہ الہی قرار پاتی ہے اور دعا مستجاب

۱. المدخل في فصل زيارة القبور: ج ۱، ص ۲۵۷۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۱۱۔

ہوتی ہے، جی ہاں! یہ تمام مسلمانوں کا واقعی عقیدہ ہے۔ (۱)

قب رسول ﷺ سے استغاثہ کی چند داستانیں

سمہودی نے اپنی کتاب کا آخری حصہ انھیں داستانوں سے مخصوص کیا ہے کہ جن میں پیغمبر اسلام سے استغاثہ کیا گیا اور لوگوں کی آرزوئیں پوری ہوئی ہیں:

۱۔ داستان منکدر

محمد بن منکدر کا بیان ہے: ”ایک شخص، جہاد میں شرکت کرنا چاہتا تھا، اسی لئے میرے والد کے پاس اسی دینار امامت کے طور پر لاایا اور کہا: اگر تمہیں ضرورت ہو تو میری والد سے پہلے ان سے استفادہ کر سکتے ہو!۔ اس زمانہ میں مہنگائی بڑھ گئی اور میرے والد نے اس کی رقم خرچ کر دی، جب وہ شخص واپس آیا اور میرے والد سے اپنی رقم واپس مانگی تو میرے والد نے کہا: کل آکر لے لینا، اور اس شب مسجد میں جا کر پوری رات وہیں رہے؛ مسجد و منبر رسول ﷺ سے توسل کیا اور آنحضرت ﷺ کی قبر شریف سے استغاثہ کیا، اچانک شب کی تاریکی میں ایک شخص آیا اور میرے والد سے کہا: ابو محمد! یہ لو، میرے والد نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس سے اس تھیلی کو لے لیا، جب تھیلی کھولی تو اس میں اسی دینار تھے، صبح کو وہ شخص آیا اور میرے والد نے اس کی رقم واپس کر دی،“۔ (۲)

۱. فرقان القرآن: ص ۱۳۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۵۔

۲. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۸۰۔

۲۔ مہمان نوازی

امام ابو بکر بن مقری (۱) کا بیان ہے: ”میں، طبرانی اور ابو شیخ ایک ساتھ رسول خدا کے روضہ مبارک کی جانب گئے، ہم پورے دن وہیں رہے باوجود اس کے کہ ہمیں بہت تیز بھوک لگ رہی تھی، میں رات میں حضرتؐ کی قبر اطہر کے پاس گیا اور کہا: ہم بھوکے ہیں، اور یہ کہہ کرو اپس آگیا، ابوالقاسم نے مجھ سے کہا: یہیں بیٹھ رہو یا تو ہمارے رزق کا انتظام ہو جائے گا یا پھر ہم سب لقمةِ اجل بن جائیں گے؛ میں اور ابو شیخ اٹھے لیکن طبرانی ویسے ہی بیٹھے رہے، ہم سب بہت فکر مند تھے، اچانک ایک علوی شخص نے دستک دی، ہم نے درازہ کھولوا، اس کے ساتھ دو غلام تھے اور دونوں کے ہاتھوں میں غذا سے بھرے ہوئے دو تھیلے تھے، ہم بیٹھ گئے اور سیر ہو کر کھانا کھایا، ہم نے سوچا کہ یہ لوگ باقی کھانا اپنے ساتھ لے جائیں گے، لیکن انہوں نے وہ بھی ہمارے لئے ہی چھوڑ دی، کھانا کھانے کے بعد علوی نے ہم سے پوچھا: کیا تم نے رسول خدا سے اپنی بھوک کی شکایت کی تھی؟ میں نے پیغمبر اکرمؐ کو خواب میں دیکھا، آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ تمہارے لئے کھانے کا اہتمام کروں“۔ (۲)

۳۔ ایک روٹی سے مہمان نوازی

ابن جداد کا بیان ہے: ”میں تنگستی کے عالم میں مدینہ پہونچا، پیغمبر اکرمؐ کی قبر اطہر کے پاس پہنچ کر عرض کی: میں آپؐ کا مہمان ہوں! اسی اثناء میں میری آنکھ

۱. منقول ہے کہ ابن مقری فہم و داش، صداقت و پاکیزگی اور علم میں بے نظیر تھے، انہوں نے ۳۲۷ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلا: ج ۱، ص ۲۷۳۔ طبقات المشافعیہ: ج ۳، ص ۵۸۰)۔
۲. وفاء المؤفاء: ج ۲، ص ۳۸۰۔

لگ گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ایک روٹی لئے ہوئے تشریف لائے ہیں، میں نے ابھی آدھی روٹی ہی کھائی تھی کہ آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ آدھی پچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ (۱)

۳۔ با برکت دولت

ابو عبد اللہ محمد بن ابی زرع صوفی سے منقول ہے: ”میں، میرے والد اور ابو عبد اللہ بن خفیف نے ایک ساتھ مکہ کا سفر کیا، وہاں پہنچ کر ہمارے پیسے ختم ہو گئے، مدینہ پہنچے تو انتہائی بھوک لگنے لگی، اس وقت میں بہت چھوٹا سا بچہ تھا اسی لئے بھوک بھوک کی رٹ لگائے ہوئے تھا، میرے والد حضور کی قبر اطہر کے پاس گئے اور پیغمبر سے عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں اور یہ کہہ کرو ہیں بیٹھنے گئے، ایک گھنٹہ گزر گیا اور میرے والد وہیں بیٹھے رہے: کبھی تو ان کے لبوں پر مسکان آتی تھی اور کبھی گریہ کرنے لگتے تھے، میں نے سبب دریافت کیا تو جواب دیا: مجھے خواب میں پیغمبر نے چند رہم دیئے۔ یہ کہنے کے بعد جیسے ہی میرے ببابانے مٹھی کھولی تو اپنے ہاتھ میں چند رہم دیکھے؛ خدا نے ان چند رہموں میں ایسی برکت دی کہ ہم شیراز واپس آگئے لیکن وہ رہم ختم نہیں ہوئے۔“ (۲)

۵۔ ایک پیالہ دو دھ

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی امان کا بیان ہے: ”ہم مدینہ میں محراب فاطمہ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، سید مکفر قاسمی بھی وہیں کھڑے تھے، اچانک وہ مرقد پیغمبرؐ کی جانب گئے اور مسکراتے ہوئے واپس آئے، خادم ضریح (شمس الدین) نے پوچھا:

۲۔ ایضاً: ص ۱۳۸۱۔

۱۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۸۰۔

﴿۱۱﴾

مُسْكَرَارِ ہے ہو؟ جواب دیا: ہاں! میں بہت تنگ دست اور بھوکا تھا، میں گھر سے نکلا اور در فاطمہؓ کی جانب گیا، پیغمبر اسلامؐ سے استغاثہ کیا اور ان سے عرض کی: میں بھوکا ہوں، اچانک میری آنکھ لگ گئی، اور خواب میں پیغمبر اسلامؐ تشریف لائے، آپ نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا، میں نے وہ دودھ پیا اور سیراب ہو گیا۔^(۱)

۶۔ لذیذ کھجوریں

ابو سحاق ابراہیم بن سعید سے منقول ہے: ”میں تین افراد کے ساتھ مدینہ گیا، ہم تینوں شدید تنگستی کے شکار ہو گئے تھے، میں پیغمبر اکرمؐ کی قبر شریف کے نزدیک پہنچا اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، لہذا ہمیں کچھ کھانے کو دیجئے، ہم تینوں کے لئے صرف تین پیانے ہی کافی ہیں!۔ میں وہاں سے پلٹا تو راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے مجھے لذیذ اور مزہ دار خرے (کھجور) کے تین پیانے عطا کئے۔^(۲)

۷۔ آب گوشت (۳) کی تمنا

ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمن حسین فامی کا بیان ہے: ”میں مدینہ میں تھا اور تین روز کا بھوکا تھا، منبر رسولؐ کے نزدیک پہنچا اور دور کعت نماز ادا کرنے کے بعد عرض کی: اے جد بزرگوار! میں بہت بھوکا ہوں اور آپ سے آب گوشت کی تمنا کرتا ہوں! میں یہ دعا کر کے سو گیا، اچانک کسی نے آواز دی اور میں بیدار ہو گیا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص آیا ہے جس کے ہاتھ میں لکڑی کا پیالہ ہے جو آب گوشت اور سبزیوں سے ملو ہے؛ اس شخص نے کہا: لبیجنے، نوش فرمائیے! میں نے پوچھا: یہ کہاں سے لائے؟

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۸۳۔ ۲. ایضاً۔ ۳. ایک ایرانی غذا (اردو میں یخنی یا شوربہ)۔

جواب دیا: میرے بچے تین روز سے اس کھانے کے متنی تھے، آج رحمت خدا ہمارے شامل حال ہوئی اور یہ کھانا بنایا، کھانا بنانے کے بعد سوگیا تو رسول اسلام کو خواب میں دیکھا، آپ فرمادیکھا تو ایک بھائی نے مجھ سے اسی غذا کی فرمائش کی ہے لہذا جاؤ یہ کھانا اس کو بھی کھلادو۔ (۱)

۸۔ ایک بھوکے انسان کی آرزو

عبداللہ بن حسن دمیاطی کا بیان ہے کہ شیخ صالح عبدالقدار تنیسی نے مجھ سے یوں بیان کیا: ”میں مدینہ میں گیا اور پیغمبر اسلام سے اپنی بھوک کی شکایت کی، میں نے آنحضرت سے گیہوں، خرما اور گوشت کی فرمائش کی؛ نماز و زیارت کے بعد قیام گاہ کی جانب گیا اور سوگیا، کسی نے آواز دی تو میں بیدار ہوا، دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان ہے جس کے ہاتھوں میں آگوشت، بہت سی روٹیاں اور کئی قسم کے خرے ہیں، اس نے وہ سب کچھ میرے سامنے پیش کیا اور میں نے تناول کیا، پھر اس نے ان چیزوں سے میرا تھیلا بھردیا اور بولا: میں نماز صبح کے بعد سورا تھا کہ پیغمبر اسلام کو خواب میں دیکھا، انہوں نے حکم دیا کہ میں یہ کام انجام دو! آپ نے مجھے تمہاری قیام گاہ کا پختہ بھی بتایا اور فرمایا کہ تم نے آنحضرت سے یہ فرمائش کی ہے۔“ (۲)

مصباح الظلام کے مصنف، ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد تو سل اور استغاثہ کے متعلق رقمطراز ہیں: ”ان میں سے اکثر مقامات ایسے ہیں کہ پیغمبر اکرم نے مجاہوں کی فریاد رسمی کرنے کا حکم اپنے بیٹوں کو دیا ہے، خصوصاً اگر غذا کا منکر ہو، کیونکہ ان حضرات کا اخلاق ایسا ہے کہ اگر ان سے غذا کی التجا کی جائے تو پہلی فرصت میں

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۸۳.

۲. ایضاً.

قبول فرماتے ہیں اور خود ہی مہمان نوازی کرتے ہیں، اس بنا پر اخلاق نبوی اس بات کا مقاضی ہے کہ آنحضرتؐ خود ہی مہمان نوازی فرمائیں؛ اور آپؐ کے بعد آپؐ کی ذریت پاک، مہمان نوازی کے بہترین شاہکار ہیں۔“ (۱)

ان حقیقی واقعات کو سننے کے بعد بھی کیا ابن تیمیہ کا یہی نظر یہ رہے گا کہ پیغمبرؐ سے توسل اور استغاثہ شرک ہے! جب کہ یہ واقعات سنانے والے لوگ اسلام سے معمولی نہیں ہیں بلکہ طبرانی، ابن مقری، ابن منکدرو غیرہ جیسے عظیم ہستیاں ہیں!؟۔ کیا مصباح الظلام نامی کتاب کا مصنف مشرک ہے؟ کیا اس نے اپنی کتاب میں کفر آمیز کلمات تحریر کئے ہیں!؟۔

کیا ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ”بلنسی“، پر شرک کا فتویٰ لگائیں! جب کہ ”ابن عماڑا“ کے مطابق: وہ شفہ اور عظیم حافظ تھے، ان کے بارے میں ”آباز“ کا بیان ہے: ”وہ حدیث میں مہارت رکھتے تھے اور اپنے ہم عصر علماء سے آگے تھے“۔ ابن مسدی کا بیان ہے: ”وہ معقول و منقول علوم و فنون میں بے نظیر ہیں“۔ ذہبی کا بیان ہے: ”وہ امام، حافظ اور استاد حدیث تھے“۔

کیا ان دلائل و شواہد کے باوجود ابن تیمیہ کی نارواہتیں لا قی وجہ ہیں!؟۔

۹۔ سہودی کا واقعہ

سہودی نے مصباح الظلام کے حوالہ سے واقعات نقل کرنے کے بعد فقهاء اور قبر پیغمبرؐ سے توسل کے متعلق بیان کیا ہے: ”اس کے متعلق بہت زیادہ داستانیں موجود ہیں بیہاں تک کہ مجھ پر بھی ایک وقت ایسا آیا: میں مسجد نبویؐ میں تھا، مصری حاجی بھی حضور اکرمؐ

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۳۸۵

کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے، کمرہ کی کنجی میرے پاس تھی، ایک مصری میرے پاس سے گزر جو میرے بعض اساتذہ کا شاگرد تھا، میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی احوال پر سی کی، اس نے چاہا کہ میں اس کے ساتھ قبر پیغمبر پر جاؤں میں آمادہ ہو اور اس کے ساتھ گیا، جب واپس ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ کمرہ کی کنجی میرے پاس نہیں ہے، میں نے بہت تلاش کیا لیکن کنجی نہیں مل پائی، حالانکہ اس وقت کنجی کی بہت شدید ضرورت تھی، میں واپس قبر نبوی پر گیا اور عرض کی: اے میرے آقا! میری کنجی گم ہو گئی ہے اور اس کی شدید ضرورت ہے لہذا میری کنجی تلاش کر دیجئے، میں واپس آیا تو دیکھا کہ کمرہ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا ہے، مجھے محسوس ہوا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں! جب میں اس کی جانب گیا دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کو میں نہیں پہچانتا لیکن اس کے ہاتھ میں میری کنجی تھی؟ میں نے پوچھا: یہ کنجی تمہیں کہاں سے ملی؟ اس نے جواب دیا: قبر پیغمبر کے نزدیک ملی ہے، میں نے اپنی کنجی میں اور کمرہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

ان واقعات کے علاوہ دیگر واقعات بھی ہیں کہ جن کا بیان بحث کے طول کا باعث ہو گا لہذا ان سے غض نظر کرتے ہیں۔

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۸۵۔



زیارت قبور

قبر رسول کی زیارت

ابن حجر اور قسطلانی، دونوں نے بیان کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے قبر پیغمبرؐ کی زیارت کی ممانعت کی ہے اور اس عمل کو حرام قرار دیا ہے، چاہے زائرؐ کا سفر زیارت کی نیت سے ہو یا زیارت کے قصد سے نہ ہو۔ (۱)

ظاہری بات ہے کہ جب ابن تیمیہ کی نظر میں قبر رسول کی زیارت ہی حرام ہے تو دوسری قبروں کی زیارت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ اس کا عقیدہ ہے کہ فقهاء نے اس

۱. کشف الارتیاب: ص ۳۵۹، بحوالہ الجوهر المنظم۔ ارشاد الساری: ص ۳۲۹

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

بات پر اجماع کیا ہے کہ زیارت کی غرض سے سفر کرنا حرام ہے اور اس سفر میں نماز بھی قصر نہیں ہوگی۔ (۱)

اہن تینیہ کے نظریہ پر تقدیم
زیارت کے جائز ہونے پر چار دلیلیں ہیں:

۱۔ قرآن کریم

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرمرا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْ جَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ اگر یہ مخالفین خود پر ستم کرتے وقت تمہارے پاس آتے اور خدا سے مغفرت طلب کرتے اور پیغمبر بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو (یقیناً) وہ لوگ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ (۲)

زیارت: یعنی کسی کی خدمت میں حاضر ہونا، چاہے گناہوں کی بخشش کی غرض سے حاضر ہوں یا کسی اور کام کی غرض سے۔

اس بنابر، جس طرح حضور اکرمؐ کی زیارت آپؐ کی زندگی میں پسندیدہ اور نیک عمل شمار ہوتا تھا اسی طرح آپؐ کی وفات کے بعد بھی پسندیدہ ہے۔

اس کے علاوہ، بہت سی دلیلیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ اس وقت پیغمبر اکرمؐ عالم برزخ میں ہیں اور آپؐ برزخ میں بھی (لوگوں کی فریاد) سنتے ہیں اور اگر کوئی آپؐ کو سلام کرتا ہے تو آپؐ جواب دیتے ہیں اور آپؐ کی امت کے اعمال آپؐ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، ان میں سے بعض دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱. حالانکہ اہن تینیہ کا یہ دعویٰ کہ ”فقہاء کا اجماع ہے“، بغیر دلیل ہے، اس لئے کہ تم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ فقہاء کا اجماع نہیں ہے اور ہم نے دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ (متترجم)۔

۲. سورۃ نساء / ۲۳

11<

الف: قسطلانی کا بیان ہے: ”روزانہ صحیح و شام، امت کے اعمال آنحضرت کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں اور آپ امت کی ہر فرد کو اس کے چہرہ اور اعمال کے ساتھ پہچاننے ہیں۔“ (۱)

ب: ابن زرعة عراقی، ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں: ”پیغمبر اسلام نے فرمایا: میری دنیاوی حیات تمہارے لئے خیر ہے، کیونکہ ہم ایک دوسرے سے گنتگو کرتے ہیں؛ میری وفات بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اپنے اعمال دیکھتا ہوں تو شکر خدا انجام دیتا ہوں اور اگر برکدار دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے مغفرت طلب کرتا ہوں۔“ (۲)

ج: سہمودی نے سکل کے حوالہ سے نقل کیا ہے: ”علماء نے سورہ نساء آیت ۲۸ کو عام پر اطلاق کیا ہے لیکن پیغمبر اکرمؐ کی زیارتِ حیات و ممات میں ایک جیسی ہے، اسی سبب علماء نے اس آیت کو قبر نبویؐ کے کنار پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔“ (۳)

د: خانہ بدش عرب کی داستان: ”ابن عساکر نے محمد بن حرب سے نقل کیا ہے کہ میں مدینہ میں داخل ہوا اور قبر رسُول کی زیارت کے لئے گیا، زیارت کے بعد قبر کے پاس بیٹھ گیا، اسی وقت ایک خانہ بدش عرب زیارت کے لئے آیا، اس نے زیارت کی اور کہا: اے خدا کے بہترین فرستادہ! غذا نے آپ پر کتاب نازل کی، اس کے بعد سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۶ پڑھی اور کہا: میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں تاکہ آپ میرے لئے مغفرت طلب کریں!۔ قبر سے آواز آئی: تمہارے

^{٣١} المواهب اللدنية بالمنع المحمدية: ج ٣، ص ٣٠.

^{٢٩} طرح التshireeb في شرح شرح التقرير: ص ٧.

٣. كشف الارتباط: ص ٢٥٦

گناہ بخش دیئے گئے۔ سمجھو دی نے یہ روایت دو طریق سے نقل کی ہے جن میں روایت کا سلسلہ حضرت علیٰ تک پہنچتا ہے۔ (۱)

۲۔ روایات

زیارت پیغمبر اسلامؐ کے متعلق بہت سی روایات موجود ہیں جن میں سے چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی روایت

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ”جو میری قبر کی زیارت کرے، اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو جاتی ہے۔“ (۲)

یہ حدیث چالیس اہل سنت منابع میں نقل ہوئی ہے، ان کتابوں کے مؤلفین حافظان حدیث اور پیشوائیں، مثلاً: عبید بن وزاق نیشاپوری، ابن ابی الدنيا، دولابی رازی، ابن خزیمہ، ابو جعفر عقیلی، ابو احمد بن عدی، دارقطنی، ماوردی، قاضی عیاض مالکی، ابن عساکر اور بکی شافعی وغیرہ۔ (۳)

علامہ لکھنؤی فرماتے ہیں: ”اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث شفاعت (منْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتُهُ) کی سند ضعیف ہے، تو وہ یقیناً مگرا ہے، اگر صاحبان ذوق کو تفصیل درکار ہے تو وہ ہمارے ان رسالوں کی جانب مرابعہ کریں جو ہم نے زیارت قبر پیغمبرؐ کے متعلق تحریر کئے ہیں، ان کے عناء میں مندرجہ ذیل ہیں：“

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۶.

۲. العدیر: ج ۵، ص ۹۳۔ سنن الدارقطنی: ج ۲، ص ۲۷۸۔ الاحکام السلطانية: ج ۲، ص ۱۰۹۔

السنن الکبری: ج ۵، ص ۲۲۵۔ الکامل فی الضعفاء: ج ۲، ص ۳۵۱۔ الضعفاء الکبیر: ج ۲، ص ۲۰۷۔

الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ج ۵، ص ۱۹۲۔ مختصر تاريخ دمشق: ج ۲، ص ۲۰۲۔ الترغيب و

الترحيب: ج ۲، ص ۲۲۲۔ شفاء السقام: ص ۲۔ کنز العمال: ج ۱، ص ۲۵۱۔ نیل الاوطار: ج ۵،

ص ۱۰۸۔

۳. اس حصہ کو ابن بدران نے کتاب تہذیب سے حذف کر دیا ہے۔

١- الكلام المبرم في نقض القول المحقق المحكم۔

٢- الكلام المبرور في رد قول المنصور۔

٣- السعي المشكور في رد المذهب الماثور۔

میں نے یہ رسالے، ان رسالوں کے جواب میں تحریر کئے ہیں جن کا موضوع وہ زائرین ہیں جو حج کے لئے جاتے ہیں لیکن صحیح و مساقبر سوں کی زیارت نہیں کرتے۔ مذکورہ بالاحادیث کے تمام راوی موسیٰ بن ہلال تک مؤوث ہیں اور ان کی وثاقت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔

موسیٰ بن ہلال کے بارے میں ابن عدی کا بیان ہے: ”امید ہے کہ ان پر کوئی اعتراض نہ ہو، وہ احمد بن خبل کے اساتذہ میں سے ہیں، احمد بن خبل صرف مؤوث افراد کے وسیلہ سے روایات نقل کرتے تھے (۱)؛ یہاں تک کہ اعتراض کرنے والے بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔“ (۲)

بیکی نے اس روایت کی سند میں مکمل دلائل بیان کئے ہیں، بیکی کا بیان ہے:

”جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ زیارت کے متعلق تمام روایات خود ساختہ ہیں، ان کا جھوٹ تھوڑی سی دلیلوں کے ذریعہ ہی آشکار ہو جاتا ہے، خدا کی پناہ! کیا ان لوگوں کو خوف خدا نہیں؟ کیا یہ لوگ خدا و رسول سے شرم محسوس نہیں کرتے؟ کیونکہ یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ جو باتیں کوئی دانشور، کوئی اہل حدیث یہاں تک کہ کوئی نادان انسان بھی نہیں کر سکتا! جہاں تک ہمیں علم ہے، موسیٰ بن ہلال اور اس حدیث کے دیگر راویوں کے بارے میں کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ جھوٹے ہیں؛ ہمیں تعجب ہے کہ ایک مسلمان ان جیسی احادیث کو کیسے خود ساختہ کہتا ہے!“ (۳)

١. الكامل في الضعفاء: ج ۲، ص ۳۵۱۔

٢. الغدیر: ج ۵، ص ۱۶۹۔

٣. شفاء السقام: ص ۸۔

دوسری روایت

ابن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”جو شخص میری زیارت کی غرض سے آئے تو مجھ پر لازم ہے کہ میں روز قیامت اس کی شفاعت کروں“۔

اس روایت کو سولہ اہل سنت نے نقل کیا ہے کہ جن میں سے بعض منابع مندرجہ ذیل ہیں: ”معجم الکبیر: طبرانی۔ السنن الصلاح: حافظ بغدادی۔ آمی: دارقطنی۔ البیعیمی: اصفہانی۔ احیاء العلوم: ابو حامد غزالی“۔ (۱)

تیسرا روایت

ابن عمر سے منقول ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا: ”اگر کوئی حج کرے اور میری وفات کے بعد میری زیارت کرے تو ایسا ہی ہے گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی“۔ (۲)

یہ روایت اہل سنت کی ۲۵ رکتابوں میں نقش نوئی ہے جن میں سے چند کتابیں مندرجہ ذیل ہیں: ”شیبانی، ابو یعلی، بغوی، ابن عدری، تہذیب، ابن عساکر“۔ (۳)

چوتھی روایت

عبداللہ ابن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”جو حج کرے لیکن میری زیارت نہ کرے، اس نے مجھ پر ظلم کیا“۔

۱. المعجم الکبیر: ج ۱۲، ص ۲۲۵۔ احیاء العلوم: ج ۱، ص ۲۳۱۔ مختصر تاریخ دمشق: ج ۲، ص ۲۰۰۔ شفاء السقام: ص ۲۶۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۰۔ معنی المحتاج: ج ۱، ص ۵۱۲۔
۲. الغدیر: ج ۵، ص ۲۲۶۔ المعجم الکبیر: ج ۱۲، ص ۳۱۰۔ سنن دارقطنی: ج ۲، ص ۲۷۸۔ کنز العمال: ج ۱۵، ص ۲۵۱۔ الدرة الثمينة: ص ۳۹۷۔ مشکاة المصایب: ج ۲، ص ۱۲۸۔ شفاء السقام: ج ۲، ص ۲۷۔ الروض الفائق: ص ۳۸۰۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۰۔ نیل الاوطار: ج ۵، ص ۱۰۸۔

اس روایت کو بہت سے حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے (۱)؛ مثلاً: سعید بن جعفر نے وفاء الوفاء میں، دارقطنی نے اپنی کتاب میں وہی روایات نقل کی ہیں جو مالک نے کتاب موطایم بیان کی ہیں اور قسطلانی نے مواہب اللہ میة میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح پیغمبر اسلام سے منقول ہے: ”جو شخص صاحب استطاعت ہو لیکن میری زیارت کے لئے نہ آئے، اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔“ (۲)

۳۔ صحابہ کرام کی سیرت

الف: عمر ابن خطاب، شام کی جنگیں فتح کرنے کے بعد جب مدینہ واپس آتے تھے تو مستقل مسجد النبوی میں جاتے تھے اور آنحضرت پر السلام بھیجتے تھے۔ (۳)
 ب: جب بھی ابن عمر کبھی سفر سے واپس آتے تھے قبر رسول پر جاتے تھے اور کہتے تھے: اے رسول خدا! آپ پر السلام ہو، اے ابوکبر! تم پر السلام ہو، اے بابا! تم پر السلام ہو۔ (۴)

ج: ابن عمر، مستقل قبر پیغمبر کے پاس کھڑے ہو کر درود وسلام بھیجتے تھے۔ (۵)
 د: ابن عون کا بیان ہے: ”ایک شخص نے نافع سے پوچھا کیا ابن عمر قبر پیغمبر پر سلام کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! میں نے ان کو سوار بلکہ اس سے بھی

۱. نبل الاولطار: ج ۵، ص ۱۰۸۔ شفاء السقام: ص ۷۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۔ المواهب اللدنیۃ:

ج ۳، ص ۲۰۲۔ کشف الخفاء: ج ۲، ص ۲۲۲۔ کتاب المجروحین: ج ۳، ص ۷۳۔ مصنف: ج ۳، ص ۵۲۹۔

۲. مجتمع الانہر در شرح ملنثی الأبحر: ج ۱، ص ۱۵۷۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۔

۳. شفاء السقام: ص ۲۲۔

۴. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۔ کیا ابن تیمیہ، عبداللہ ابن عمر پر شرک کا فتنی لگا سکتا ہے؟ وہ قرآن کے علاوہ خلفاء پر کبھی سلام بھیج رہے ہیں! (متترجم)۔

۵. ایضاً۔

زیادہ دیکھا ہے کہ وہ قبر پنجمبر پر آتے تھے اور کہتے تھے: یا رسول اللہ! آپ پر سلام، (۱) ہ ابوحنیفہ نے ابن عمر سے نقل کیا ہے: ”مُسْتَحْبٌ ہے کہ قبر رَسُولٍ پِرْ قَبْلَهُ کی جانب سے حاضری دی جائے، قبر کی جانب رخ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے کہے...“۔ علامہ امینؒ نے چالیس سے زیادہ علماء و فقہائے اہل سنت کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے قبر پنجمبرؒ کی زیارت اور اس کے آداب کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲)

۳۔ عقل

ہماری عقل اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جس کو خداوند متعال نے عظیم و محترم شمار کیا ہے، ہم بھی اس کا احترام کریں، چونکہ زیارت بھی ایک احترام ہے الہذا ان کی زیارت کرنا شعائرِ الہی کی تعظیم ہے کیونکہ عمل آنحضرتؐ کے مخالفوں اور دشمنوں کی گندی سیاست کو خاک چڑاتا ہے۔

سفر زیارت کی حدیث کا تجزیہ

شیعوں پر امن تیمیہ کی دوسری تہمت یہ ہے کہ ”جیسے حاجی حضرات، بیتِ الہی کا حج انجام دیتے ہیں اسی طرح شیعہ بھی اپنے اماموں کی قبروں پر حج کرتے ہیں، گویا انہوں صالحین کی قبروں کی زیارت صرف شیعوں سے ہی مخصوص ہے اور کسی دوسرے اسلامی فرقہ کو یہ کام انجام دیتے ہوئے نہیں دیکھا گیا“۔

ابن عبد الوہاب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ زیارت کے قصد سے عقبات عالیات اور قبر رَسُولٍ کی جانب سفر کرنا حرام ہے، وہ پنجمبر اسلامؐ کی حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ”قبر رَسُولٍ کی زیارت مستحب ہے، لیکن صرف مسجد الحرام،

۲. الغدیر: ج ۵، ص ۱۰۹۔

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۲۰۔

مسجد انبیٰ اور مسجد اقصیٰ کے لئے سفر جائز ہے،“ (۱)
اس حدیث کو معیار قرار دیتے ہوئے ابن عبدالوہاب نے قبر کی زیارت کو حرام
قرار دیا ہے۔ (۲)

حدیث مذکور کے پیش نظر، ابن عبدالوہاب کے نظریہ پر مندرجہ ذیل طریقہ سے
اعترافات وارد ہوتے ہیں:

۱۔ اس روایت کا حصر، حصارضانی ہے نہ کہ حصر حقیقی؛ اس جملہ میں مستثنیٰ منہ ذکر
نہیں ہوا ہے کہ جس کو عربی گرامر میں مستثنیٰ مفترغ سے تعبیر کیا جاتا ہے، الہذا لازم
نہیں ہے کہ حذف شدہ لفظ ”مکان“ ہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ ”مسجد“ ہو۔

اگر حذف شدہ لفظ کو ”مسجد“ فرض کیا جائے تو روایت کے معنی یہ ہوں گے:
”مسجد کے سفر کے لئے سامان سفر آمادہ کرنا صحیح نہیں ہے سوائے ان تین مساجد کے“
الہذا اس میں حذف شدہ لفظ ”مسجد“ ہی ہے، عوام کے ذہنوں میں یہی لفظ آتا ہے
کیونکہ یہاں مسجدوں کی بات ہو رہی ہے، اس روایت کا زیارت قبور سے کوئی رابطہ
نہیں ہے کہ زیارت قبور کو حرام قرار دے دیا جائے!۔

اس کے متعلق قسطلانی کا بیان ہے: ”اس روایت میں اگر حذف شدہ کلمہ
”مکان“ فرض کیا جائے تو تین مساجد کے علاوہ ہر قسم کا سفر حرام ہو جائے گا مثلاً صالحین

۱۔ صحيح بخاري: ج ۲، ص ۱۳۶۔ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، ج ۲، ص ۱۲۲۔ احياء العلوم:

ج ۲، ص ۲۷۔

۲۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں مسجد نبویؐ کی زیارت کو مستحب قرار دیا گیا ہے جس کا
مطلوب یہ ہوتا ہے کہ قبر نبویؐ کی زیارت بھی مستحب ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کی قبر شریف مسجد النبويؐ میں ہی
ہے!۔ (مترجم)۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

کی زیارت کا سفر، عزیز واقر ب کی زیارت کا سفر، حصول علم کی خاطر سفر کرنا اور تجارت کے امور میں سفر کرنا؛ لہذا اس روایت میں حذف شدہ لفظ "مسجد" کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ (۱)

۲۔ تمام علماء و فقهاء کا نظر یہ ہے کہ ہر جگہ کے لئے رخت سفر باندھنا جائز ہے، چاہے وہ سفر تجارت کے لئے ہو یا حصول علم کے لئے، جہاد کے لئے ہو یا علماء کی زیارت کے لئے یا سیر و تفتیح کی خاطر۔

اگر حذف شدہ لفظ کو مسجد کی جگہ "مکان" تسلیم کیا جائے تو مذکورہ بالسفر حرام ہو جائیں گے اور ان کا حرام ہونا اجماع علماء کے خلاف ہے، لہذا ہم یہ قول کرنے پر مجبور ہیں کہ یہاں حذف شدہ لفظ "مسجد" ہی ہے، اس صورت میں روایت اس طرح ہے: "لَا يَقْصُدُ السَّفَرَ إِلَى الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسَاجِدُ الْثَالِثَةُ" یعنی کسی بھی مسجد کے سفر کا قصد نہیں کیا جا سکتا سوائے تین مساجد کے۔ اس وضاحت کے بعد کوئی گوشہ باقی نہیں رہتا کہ جس کی وجہ سے زیارت قبور، بالخصوص قبر رسول کی زیارت کو حرام قرار دیا جائے!

۳۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ مُشْتَقٌ مَغْرِغٌ اور حذف شدہ لفظ "مسجد" ہی ہے تب بھی اس روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس صورت میں اس روایت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ "فقط مذکورہ بالا تین مساجد کے لئے رخت سفر باندھا جا سکتا ہے لیکن ان مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے" جب کہ ہمارے پاس دلائل موجود ہیں کہ پیغمبر اکرم اپنے اصحاب کے ہمراہ ہر سینچر کو مسجد قبا تشریف

۱۔ ارشاد المساری: ج ۲، ص ۳۳۲

لے جاتے تھے اور مدینہ سے مسجد قبا کا فاصلہ کم سے کم ۶۰ کلومیٹر ہے اور روایت میں مسجد قبا کا تذکرہ بھی نہیں ہوا ہے، اگر اس روایت پر عمل کیا جائے تو مسجد قبا کا سفر بھی حرام ہو جائے گا! لیکن آج تک کسی مسلم فقیہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ مسجد قبا کا سفر حرام ہے۔ (۱)

ابن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ہر شنبہ (سپنچر) کو پاپیادہ مسجد قبا کا سفر کیا کرتے تھے، خدا ابن عمر نے بھی اس عمل کو انجام دیا ہے۔ (۲)

۳۔ بلاں نے پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کی غرض سے رخت سفر باندھا، ابن عساکر کا بیان ہے: ”بیت المقدس کی قصّت کے بعد عمر جابیہ نامی علاقہ کی جانب کوچ کرنا چاہتے تھے، بلاں نے عمر سے کہا: میں شام میں رہنا چاہتا ہوں، عمر نے بلاں کی موافقت کر دی اور وہیں رک گئے“، ابن عساکر مزید رقطراز ہیں: ”بلاں نے پیغمبر اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ فرمار ہے ہیں: مجھ پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ کیا ابھی میری زیارت کا وقت نہیں آیا؟ بلاں بہت رنجیدہ ہوئے اور خواب سے بیدار ہوتے ہی مدینہ کا قصد کیا، بلاں قبر نبویؐ پر آئے اور بے تحاشہ نالہ و فریاد میں محو ہو گئے، اپنے رخسار کو قبر نبویؐ پر کھٹتے تھے، قبر نبویؐ کو چوتے تھے اور مسلسل گریہ کئے جا رہے تھے، حسن و حسین علیہما السلام بلاں کے پاس آئے اور بلاں نے دونوں شہزادوں کو بغلگیر کر لیا اور ان کو بوس دیا، دونوں شہزادوں نے فرمایا: ہم تمہاری اذان سننا چاہتے ہیں؛ بلاں نے اذان کی، جیسے ہی بلاں کے دہن سے اللہ اکبر نکلا

۱. کیا اس کے باوجود ابن تیبہ میں یہ جو ات ہے کہ وہ مسجد قبا کے سفر کو حرام قرار دے؟ کیونکہ اس سفر میں تو پیغمبر اکرمؐ بھی شامل ہیں!۔ (متترجم)

۲. ارشاد الساری: ج ۲، ص ۳۳۲۔ صحیح بخاری: ج ۲، ص ۱۳۷۔

مدینہ کی زمین لرزائھی، جب بلال نے اشہدان لا الہ الا اللہ کہا تو مدینہ پر عجیب یہجانی کیفیت طاری ہو گئی، جب بلال نے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو تمام پرده نشین خواتین اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں، وہ کہہ رہی تھیں: رسول خدا نے اپنے بالوں میں خاک بھر لی ہے، اس سے پہلے مدینہ کو ایسا محرموں و غمزدہ نہیں دیکھا گیا۔ (۱)

عبد الغنی وغیرہ نے رقم کیا ہے: ”رحلت پیغمبر اکرم کے بعد بلال نے صرف ایک بار اذان کی، اور وہ اذان مدینہ میں کیا۔“ (۲)

سفرزیارت کے جواز میں سکی کا بیان ہے: ”اس عمل کے جواز کی دلیل، بلال کا خواب نہیں بلکہ ان کا عمل ہے، بالخصوص ان کا عمل اس لئے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے یہ عمل خلیفہ دوم کے زمانہ میں انجام دیا، اس زمانہ میں بہت سے صحابہ بھی موجود تھے جو اس عمل کے شاهد تھے۔“ (۳)

کتاب فتوح الشام میں نقل ہوا ہے: ”جب عمر نے بیت المقدس کے لوگوں سے صلح کر لی تو کعب الاحرار کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا، خلیفہ اس کے اسلام سے بے حد خوش ہوئے اور اس سے کہا: کیا تم میرے ساتھ قبر پیغمبر اکرم کی زیارت کے لئے چلو گے؟ کعب الاحرار نے قبول کیا، وہ دونوں مدینہ آئے اور سب سے پہلے قبر نبی کی

-
۱. اسد الغابة: ج ۱، ص ۲۰۸۔ تهذیب المطالب: ج ۲، ص ۲۰۸۔ شفاء السقام: ص ۸۵۔
 ۲. ایک تاریخ کے مطابق: بلال نے رحلت پیغمبر اکرم کے بعد تین بار اذان کی، دو بار مدینہ میں اور ایک بار شام میں۔ (قاموس الرجال: ج ۲، ص ۳۹۸).

۳. تاریخ الاسلام: ج ۳، ص ۲۰۵۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۱۳۵۔ اصحاب نے بلال کے عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اصحاب کی خاموش بلال کے عمل کی تائید اور سزاوارت قبور کے جواز کا منہج بولتا شاہکار ہے، جو ابن تیمیہ کا منہج توڑ جواب بھی ہے۔ (متترجم)۔

زیارت کے لئے گئے اور رسول خدا کی خدمت میں سلام عرض کیا،” - (۱)
 ۵۔ عمر ابن عبد العزیز کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ جب وہ اپنا قاصد شام سے مدینہ روانہ کرتا تھا تو قاصد سے کہتا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں میر اسلام پہنچا دینا۔ (۲)

ابن تیمیہ کے مقابل، علمائے اسلام کے نظریات
 اقطلانی کا بیان ہے: ”ابن تیمیہ کی نقتوں میں سے سب سے کثیف ترین بات،
 پیغمبر اکرمؐ کی زیارت سے منع کرنا ہے۔“ - (۳)

نابسی کا بیان ہے: ”یہ کوئی پہلا بھنو نہیں ہے کہ جس میں ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار گرفتار ہوئے ہیں۔ ابن تیمیہ نے بیت المقدس کی زیارت کو گناہ شمار کیا، اس نے پیغمبر اکرمؐ اور اولیاء الہی سے توسل کی بھی ممانعت کی؛ اس کی گستاخیوں نے علماء کو مجبور کیا کہ وہ اس کے خلاف قلم فرسائی کریں، یہاں تک کہ ”حسنی“ نے ابن تیمیہ کی مخالفت میں ایک مستقل کتاب تحریر کر دی اور اس میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابن تیمیہ کافر ہے۔“ - (۴)

۱. وفاء الرفقاء: ج ۲، ص ۱۳۵۸.

۲. تهذیب المطالب: ج ۲، ص ۲۰۸.

۳. ارشاد الساری: ج ۲، ص ۳۲۹.

۴. الحضرة الانسية في الرحلة القدسية: ص ۱۲۹۔ اب ابن تیمیہ کیا کہے گا؟ جو انسان جیسا ہوتا ہے اسے دوسرے لوگ بھی اپنی مانند نظر آتے ہیں، حسنی کے مطابق چونکہ ابن تیمیہ خود کافر تھا لہذا درود کو بھی کفر کے زمرہ میں لانا چاہتا تھا۔ کیونکہ: کند ہمجنس باہمجنس پرواں۔ کیبورٹ باکبوتر، باز با باز۔ (متترجم)۔

۳۔ امام غزالی کا بیان ہے: ”جو شخص پیغمبر اکرم کی حیات میں، آپ سے تبرک حاصل کرتا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد بھی تبرک حاصل کر سکتا ہے اور ان کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے، وہ روایت بھی آنحضرتؐ کی زیارت سے منع نہیں کرتی جو صرف تین مساجد کے سفر کو جائز شمار کرتی ہے۔“ (۱)

۴۔ عزیزی شافعی کا بیان ہے: ”ابن تیمیہ نے پیغمبر اکرم کی شان والاصفات بھی گستاخی کی ہے اور کہا ہے: آنحضرتؐ کی قبر شریف کی غرض سے رخت سفر باندھنا گناہ شمار ہوتا ہے۔“ (۲)

۵۔ یثیمی شافعی کا بیان ہے: ”آنحضرتؐ کی زیارت کے جواز کی ایک دلیل، علماء کا اجماع ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ نے علماء کے اجماع کا دعویٰ کیسے کرو یا؟ جب کہ ابن تیمیہ مخالف ہے اور کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کی زیارت حرام ہے اور اس سفر میں نماز بھی قصر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ ابن تیمیہ ایسی شخصیت نہیں کہ اس کے نظریات پر توجہ دی جائے اور دینی مسائل میں اس کے نظریہ کی جانب رجوع کیا جائے، حالانکہ بہت سے علماء نے ابن تیمیہ کے احتمانہ نظریات کا جواب دیا ہے اور اس کے شرمناک عقائد کو آشکار کیا ہے۔“ (۳)

نتیجہ یہ ہے کہ علمائے اہل سنت سے متعلق زیارت کے جواز پر روایات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تو اتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، اسی طرح اصحاب کی سیرت اور بلاں کا زیارت کے لئے آنا اور اصحاب کا خاموش رہنا، دوسرا جانب سے عمر کا کعب الاحجار

۱. احیاء العلوم: ج ۲، ص ۲۷۔

۲. فرقان القرآن: ص ۱۳۳۔ ۱. الغدیر: ج ۵، ص ۱۵۲۔

۳. الغدیر: ج ۵، ص ۱۱۶۔ ۱. کشف الارتیاب: ص ۲۷۔ ۲. الجوهر المنظم فی زیارت القبر المکرم: ص ۱۲۔

کو زیارت رسول کے لئے لانا وغیرہ جیسے امور صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ زیارت قبور بالخصوص قبر رسول کی زیارت جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ بعض روایات میں زیارت کا حکم دیا گیا ہے کہ جس سے اکثر فقهاء نے استحباب مراد لیا ہے، اگرچہ ابن حزم جیسے بعض افراد نے یہ نتوی دیا ہے کہ زیارت پنیبر واجب ہے چاہے زندگی میں ایک بار انجام دو۔ (۱)

۶۔ شیخ احمد قسطلانی کا بیان ہے: ”جان لجئے کہ قبر رسول کی زیارت، خداوند عالم سے نزد یکی کا بہترین ذریعہ، کمال کے حصول کا انمول وسیلہ اور اہم عبادت شمار ہوتی ہے، جو بھی ان فضائل کا انکار کرے وہ زمرة اسلام سے خارج، خداور رسول اور علمائے اعلام کا مخالف ہے اور ان کے مقابل کھڑا ہے۔ ابن تیمیہ کی جانب سے زیارت قبر رسول کے متعلق عجیب بکواس سنسنگی ہے“، (۲)

زیارت قبور اور زیارتگاہوں کی زیارت

اب تک یہ ثابت کیا گیا کہ قبر رسول کی زیارت جائز ہے۔ دیگر قبور اور مقدس مقامات کی زیارت کا حکم بھی جواز میں ہی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عمل پسندیدہ ہے، پیغمبر اکرم نے بھی مسلمانوں کو زیارت قبور کی ترغیب دلائی ہے اور آپ خود بھی قبور بالخصوص اپنی والدہ ماجده (آمنہ) کی قبر شریف کی زیارت فرماتے تھے، تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ زیارت قبور کو پسندیدہ عمل شمار کیا ہے اور ہمیشہ زیارت کرتے رہے ہیں۔

۱. الناج الجامع للاصول: ج ۲، ص ۳۸۲.

۲. المواهب اللدنية: ج ۳، ص ۲۰۳۔ گویا ابن تیمیہ کی بدینی کی جانب شارہ ہے۔ (متجم).

۳. آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی ”جناب آمنہ خاتون سلام اللہ علیہا“ تھا۔ (متجم).

زیارت قبور کے متعلق روایات

۱۔ سلیمان بن بردیدہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن آج کے بعد زیارت کے لئے جانا شروع کردو۔“ (۱)

اس روایت کے بارے میں شیخ منصور کا بیان ہے: ”اکثر فقهاء نے اس روایت کے ذریعہ پیر پیغمبر اکرم کی زیارت کا استحباب ثابت کیا ہے لیکن ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ روایت وجوب پر دلالت کرتی ہے اور ہر انسان کو زندگی میں کم سے کم ایک بار زیارت کے لئے ضرور جانا چاہئے۔“ (۲)

۲۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن چونکہ محمدؐ کو ماں کی قبر کی زیارت کا اذن مل گیا لہذا تم بھی قبروں کی زیارت کے لئے جایا کرو کہ قبروں کی زیارت آخرت کی یاد کوتازہ کرتی ہے،“ اس روایت کو صحیح بخاری کے علاوہ تمام صحاح نے نقل کیا ہے۔

ترمذی نے اس روایت کو اس انداز سے نقل کیا ہے: ”بیت، اپنے زائر کی بو محسوس کرتی ہے، دعا، قرآن اور صدقہ سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ جی ہاں! یہی زیارت کی حکمت ہے۔“ (۳)

۳۔ پیغمبر اکرم سے منقول ہے: ”پہلے میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا لیکن اب کچھ اور کشف ہوا ہے۔“ (۴)

۱۔ صحيح مسلم: ج ۳، ص ۲۵۔ سنن نسائي: ج ۳، ص ۸۹۔ مستدرک حاكم: ج ۱، ص ۵۳۰۔

۲۔ الناج الجامع للاصول: ج ۱، ص ۳۸۱۔ جامع الاصول: ج ۱، ص ۳۵۸۔

۳۔ ايضاً۔ ۴۔ مستند احمد: ج ۲، ص ۳۳۷۔ موسوعة اطراف الحديث: ج ۱۰، ص ۱۸۱۔

۴۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: ”اپنے مُردوں کی قبروں پر جا کر ان کی خدمت میں سلام عرض کرو کیونکہ وہ تمہارے لئے درس عبرت ہیں“۔ (۱)

۵۔ پیغمبر اکرمؐ، راس الحول نامی مقام پر شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لئے گئے اور فرمایا: ”سلام ہوا آپ پر کہ آپ لوگوں نے صبر کا مظاہرہ کیا اور اچھی جگہ کے مستحق قرار پائے“۔ ابو بکرؓ بھی اپنی خلافت کے دوران ان قبروں کی زیارت کے لئے گئے، عمر اور عثمانؓ بھی اپنے اپنے دوران خلافت میں اس قبرستان کی زیارت کے لئے گئے، عمر معاویہؓ بھی جھنچ کرنے گیا تو ان قبروں کی زیارت کے لئے گیا۔ جب کبھی پیغمبر اکرمؐ اس دڑھ سے گزرتے تھے کہ جہاں وہ شہداءِ دین تھے، فرماتے تھے: سلام ہوا آپ لوگوں پر کہ آپ لوگوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ (۲)

۶۔ عائشہؓ کا بیان ہے: ”رسول خدا ہر دوسرے دن، رات کے وقت جنتِ البقع نامی قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے: اے مومنین کے گھروں میں آرام کرنے والو! جو تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ وفا ہو گیا! خدا کی مرضی کے تحت ہم بھی تم سے آملیں گے، خدا یا! اہلِ بقیع کی مغفرت فرماؤ!“۔ (۳)

۷۔ ابن مسعود سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”ہوشیار! قبروں کی زیارت کے لئے ضرور جایا کرو کہ یہ زیارت تمہارے دلوں کو دنیا سے بے اعتنا اور تمہارے دلوں میں آخرت کی یادتازہ کرتی ہے“۔ (۴)

۱. اخبار مکہ: ج ۲، ص ۵۲

۲. وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۹۳۲

۳. سنن نسائي: ج ۲، ص ۱۳۲

۴. سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۵۰۱۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۵۳۱

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

۸۔ انس سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن آج کے بعد قبروں کی زیارت کے لئے جانا کیونکہ یہ زیارت تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔“ (۱)

۹۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”میں پہلے تو تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اس کے بعد تم میں سے جو چاہے قبر کی زیارت کرے کیونکہ یہ زیارت دل کو نرم کرتی ہے، آنکھوں کو نرم کرتی ہے اور دل میں آخرت کی یاد کوتازہ کرتی ہے۔“ (۲)

۱۰۔ طلحہ بن عبد اللہ کا بیان ہے: ”هم رسول خدا کے ساتھ باہر گئے اور شہیدوں کی قبوروں کے نزدیک پہنچے، حضرت نے فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔“ (۳)
 ۱۱۔ عائشہ نے پیغمبر اکرم سے نقل کیا ہے: ”جب ریل میرے پاس آئے اور کہا: تمہارا پروار دگا رتمہیں حکم دیتا ہے کہ جنت ابیقیع میں جاؤ اور وہاں مدفون افراد کے حق میں معفرت کی دعا کرو۔“ (۴)

اصحاب و تابعین کی سیرت

۱۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ”فاطمہ بنت رسول خدا، جناب حمزہ کی قبر پر گئیں اور اس کی مرمت کی اور نشانی کے عنوان سے ایک پتھر لگایا۔“ (۵)

۱۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۱۳۸۸۔ ش ۵۳۱.

۲۔ ایضاً: ش ۱۳۹۲۔ مجمع الزواید: ج ۳، ص ۵۸.

۳۔ سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۱۶۔ سنن کبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۷۔

۴۔ السنن الکبیریٰ: ج ۲، ص ۱۳۲۔

۵۔ مصنف: ج ۳، ص ۵۷۲۔ السنن الکبیریٰ: ج ۲، ص ۱۳۱۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۵۳۳۔
 الغدیر: ج ۵، ص ۲۷۱۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۹۳۲۔

(۱۳۳)

۲۔ رزین نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے: ”فاطمہ بنت رسول خدا ہر دو تین دن میں ایک بار شہداء کی قبر پر تشریف لے جاتی تھیں“۔ (۱)

۳۔ یحیٰ نے اس روایت کو دوسرے طریقہ سے نقل کیا ہے کہ امام باقر نے امام سجادؑ سے نقل فرمایا: ”جناب فاطمہ وہاں نماز ادا کرتی تھیں، دعا کرتی تھیں اور گریہ و زاری کیا کرتی تھیں، شہزادی نے یہ عمل اپنی عمر کے آخری ایام تک انجام دیا“۔ (۲)

۴۔ مولانا فرماتے ہیں: ”فاطمہ زہرا ہر جمعہ کو جناب حمزہ کی قبر پر جایا کرتی تھیں، وہاں نماز پڑھتی تھیں اور گریہ و زاری کرتی تھیں“۔ (۳)

۵۔ ابن ابی ملکیہ کا بیان ہے: ”میں نے عائشہ کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر زیارت کے لئے گئیں، عبدالرحمن کی قبر مکہ میں ہے“۔ (۴)

۶۔ ابن ملکیہ کا بیان ہے: ”ایک روز عائشہ قبرستان سے پلٹ رہی تھیں، میں نے پوچھا: کیا رسول خدا نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا؟ جواب دیا: ہاں! منع فرمایا تھا لیکن بعد میں زیارت قبور کا حکم دیا تھا“۔ (۵)

۷۔ یہیقی نے ہاشم بن محمد العمری سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ” مدینہ میں بروز جمعہ، میرے بابا مجھے نماز صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان شہداء کی زیارت کے لئے لے گئے؛ وہاں پہنچ کر میرے بابا نے بلند آواز سے کہا: سلام ہو آپ لوگوں پر کہ آپ نے صبراختیار کیا اور بہترین مقام حاصل کیا؛ میں نے سنا کہ اہل قبور نے بابا

۱۔ مصنف: ج ۳، ص ۵۷۲۔ السنن الکبری: ج ۳، ص ۱۳۱۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ مصنف: ج ۳، ص ۵۷۰۔

۵۔ سنن الکبری: ج ۳، ص ۱۳۱۔

سنا کہ اہل قبور نے میرے بابا کے سلام کا جواب دیا، میرے بابا نے میری جانب نگاہ کی اور پوچھا: کیا میرے سلام کا جواب تم نے دیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، پھر بابا نے مجھے اپنے دائیں طرف بلالیا اور دوبارہ سلام کیا، پھر انھیں سلام کا جواب ملا، اس امر کی تین بار تکرار کی اور تینوں بار جواب ملا، اس کے بعد میرے بابا سجدہ میں گر گئے اور شکر خدا بجا لائے۔“ (۱)

۸۔ عطا ف سے نقل کرتے ہوئے، یحیٰ کا بیان ہے: ”میری پا کدامن اور پرہیز گار خالہ نے مجھے ایک واقعہ سنایا: میں سواری پر سوار ہو کر سید الشہداء حمزہ کی زیارت کے لئے گئی، میرا غلام بھی میرے ساتھ تھا، میں نے وہاں نماز ادا کی، وہاں بہت سناثا تھا اور ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیراش شخص نہیں تھا، میرا غلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے باہر کھڑا تھا، میں نے نماز کے بعد قبر کی جانب اشارہ کر کے کہا: آپ پر سلام ہو، قبر سے میرے سلام کا جواب آیا، میرے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا، میں نے غلام کو آواز دی اور سوار ہو کر اپنے گھر واپس لوٹ آئی۔“ (۲)

لائق زیارت مقبرے

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں کی گزشتہ زمانوں سے آج تک یہی سیرت رہی ہے کہ وہ اصحاب اور مونین کی قبروں پر جاتے ہیں اور ان سے توسل اختیار کرتے ہیں، ان میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ موزن رسول، بلالؓ کی قبر: بلالؓ نے ابھی شام میں دارفنا سے داربقا کی جانب کوچ کیا، اس مقام پر دعا مستجاب ہوتی ہے، بہت سے مونین و صالحین جوان کی قبر

۲۔ ایضاً.

۱۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۹۳۳۔

ان کی قبر کی زیارت سے شرفیاب ہوئے ہیں انہوں نے دعا کی قبولیت کا تجربہ کیا ہے۔ (۱)

۲۔ سلمان فارسیؑ کی قبر: آپ کی وفات ۲۶ھ میں واقع ہوئی اور آپ کا مدفن ایوانِ کسریٰ کے نزدیک قرار پایا جو آج بھی مشہور و معروف ہے؛ آپ کی قبر پر گنبد بھی ہے اور خادمین بھی موجود رہتے ہیں، میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے، میں کئی بار زیارت کے لئے گیا ہوں (۲)؛ ابن جوزی کا بیان ہے: ”فلانی اور سمنون نے کہا ہے کہ انہوں نے بھی قبر سلمانؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے“۔ (۳)

۳۔ ابوالیوب الانصاری کی قبر: ان کی وفات ۲۵ھ روم میں ہوئی۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے: ”لوگ ان کی قبر کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی زیارت کو جاتے ہیں اور خط کے عالم میں ان کی قبر پر بارانِ رحمت کی دعا کرتے ہیں“۔ (۴)

۴۔ مصر میں مدفنِ سرِ حسینؑ: ابن جبیر کا بیان ہے: ”امام حسینؑ کا سر مبارک چاندی کے تابوت میں دفن ہے، اس پر ایسی عالیشان عمارت تعمیر کی گئی ہے کہ جس کی توصیف سے زبانِ قاصراً و عقلِ حیران ہے، اس مسجد کی دالیوں پر کالے چمکدار پتھر لگائے گئے ہیں جو لوگوں کی نظر وہ کو خیرہ کرنے کا باعث ہیں، لوگوں کا کہنا تھا کہ گویا یہ پتھر ہندوستانی آئینے ہیں۔ ہم نے وہاں دیکھا کہ لوگ قبر کو چوم رہے ہیں،

۱. رحلۃ ابن جبیر: ص ۲۲۹۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۳۔

۲. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۳۔

۳. المنظوم: ج ۱۲، ص ۲۲۱۔

۴. مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۵۱۸، ش ۵۹۲۹۔ صفوۃ الصفوۃ: ج ۱، ص ۷۰۔ ابن بطوطة کے سفر نامہ میں مرقوم ہے کہ طلحہ کی قبر پر گنبد اور مسجد تعمیر ہے اور لوگ ان کی قبر کا احترام کرتے ہیں۔ (سفر نامہ ابن بطوطة: ج ۱، ص ۲۸۱)۔

خود کو ضرخ پر گرا رہے ہیں اور برکت کی خاطراس پر کپڑا مس کر رہے ہیں (۱)؛ بہت سے لوگ آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے ضرخ کا طواف کر رہے ہیں، ہر زائر کا دل محظوظ ہے اور پانی لے لے کر پتھر صاف کر رہے ہیں۔ اس مقدس مقام کی تو صیف بیان سے خارج ہے، خداوند عالم ہمیں اس مقدس مقام کی زیارت سے شرفیاب فرمائے۔ (۲)

۵۔ عمر بن عبد العزیز کی قبر: ان کی قبر دریسمعan (دمشق) میں واقع ہے اور لوگوں کے لئے زیارتگاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ (۳)

۶۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا مرقد مطہر: آپ کی شہادت ۸۳ھ میں ہوئی اور آپ کو کاظمین میں دفن کیا گیا، خطیب بغدادی کا بیان ہے: ”میں نے ایک بزرگ حنبلی ”حسن بن ابراہیم“ کی زبانی سننا جب بھی مجھے کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو میں اسی قبر شریف سے توسل اختیار کرتا تھا اور خدامیری مشکلات کو حل فرماتا تھا“۔ (۴)

۷۔ امام محمد تقی علیہ السلام کا مرقد مطہر: ابن عمار کا بیان ہے: ”امام محمد تقی کی شہادت بغداد میں ہوئی اور آپ اپنے جد بزرگوار ”امام کاظم“ کے پہلو میں دفن ہوئے، لوگ ہمیشہ ان دونوں کی زیارت سے شرفیاب ہوتے ہیں“۔ (۵)

۱۔ تاکہ اپنے اہل وطن کو تبرک دے سکیں۔ (مترجم)۔

۲۔ رحلۃ ابن جبیر: ص ۱۹۔

۳۔ معجم البلدان: ج ۲، ص ۵۸۶۔ تاریخ الاسلام: ص ۲۲۔ تذکرة الحفاظ: ج ۱، ص ۱۲۱۔

۴۔ تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۰۔ البداية والنهاية: ج ۵، ص ۸۸۔

۵۔ شذرات الذهب: ج ۳، ص ۹۷۔

۸۔ امام علی رضا علیہ السلام کا مرقد مطہر: محمد بن مؤمل کا بیان ہے: ”هم بعض بزرگان اہل حدیث کے ساتھ امام رضا کی قبر شریف پر گئے جن میں ابن خزیمہ اور ابو علی ثقفی بھی شامل تھے، ابن خزیمہ نے اس مبارک مقام کا انتاز یادہ احترام کیا اور اس قدر گریہ وزاری میں محو ہوئے کہ ہم سب انگشت بدنداں رہ گئے!“ - (۱)

۹۔ محمد بن ادريس شافعی کی قبر: شافعی مذہب کے امام و پیشوائے ۲۰ھ میں وفات پائی، ان کو ”مقطم“ نامی مقام کے نزدیک ”قرافہ“ میں سپردخاک کیا گیا اور ان کی قبر لوگوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (۲)

۱۰۔ احمد بن حنبل کی قبر: حنفی مذہب کے امام کی وفات ۲۷ھ میں ہوئی۔ ذہبی کا بیان ہے: ”لوگ ان کی قبر کی زیارت کرنے بغداد جاتے ہیں“ - (۳)

۱۱۔ ابوحنیفہ کی قبر: حنفی مذہب کے پیشوائی وفات ۱۵ھ میں ہوئی، ان کی قبر بغداد میں اعظمیہ نامی مقام پر واقع ہے اور مشہور زیارت گاہ ہے (۴)؛ شافعی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ روزانہ قبر ابوحنیفہ کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ (۵)

۱۲۔ ذوالنون مصری کی قبر: ان کی وفات ۲۲۶ھ میں ہوئی، قرافہ نامی مقام پر دفن ہوئے، ان کی قبر پر عمارت بھی تعمیر ہے، ابن خلکان کا بیان ہے: ”میں نے بارہا ان کی قبر کی زیارت کی ہے“ - (۶)

۱۔ وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۲۵۱۔ تهذیب التهذیب: ج ۷، ص ۳۳۹۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ میزان الاعدال: ج ۱، ص ۱۱۲۔

۴۔ تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۳۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ وفیات الاعیان: ج ۱، ص ۳۱۸۔

۱۳۔ اسماعیل بن یوسف دیلی کی قبر: معانی کا بیان ہے: ”ان کی قبر، معروف کرنی کی قبر سے تھوڑے فاصلہ ہر واقع ہے اور لوگوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، میں نے خود بھی کئی بار زیارت کی ہے“۔ (۱)

۱۴۔ مصعب بن زیر کی قبر: ابن جوزی کا بیان ہے: ”مصعب کی وفات کے ۱۵ء میں ہوئی، جیسے لوگ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اسی طرح مصعب کی قبر پر بھی جاتے ہیں جو مسکن نامی مقام پر دری رجاثیق کے نزدیک ہے“۔ (۲)
البته ابن جوزی کا موازنہ بالکل غلط ہے کیونکہ ان دونوں زیارتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جو انسان عراق میں خوزیزی کا خواہاں تھا وہ کہاں اور جواناں جنت کے سردار کہاں!۔ (۳)

۱۵۔ لیث بن سعد حنفی کی قبر: مصر کے پیشوا کی وفات کے ۱۵ء میں ہوئی، ان کو قرافہ نامی مقام پر دفن کیا گیا، ان کی قبر لوگوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، میں نے بارہاں قبر کی زیارت کی ہے۔ (۴)

۱۶۔ ابو عوانہ کی قبر: ان کی قبر شہر اسفرائن میں ہے جو لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور تمام لوگ اس قبر کو مبارک گردانتے ہیں (۵)؛ ابن عساکر کا بیان ہے: ”اسفرائن میں واقع ابو عوانہ کی قبر لوگوں کے لئے متبرک اور زیارت گاہ ہے“۔ (۶)

۱. صفوۃ الصفوۃ: ج ۲، ص ۳۱۳.

۲. معجم البلدان: ج ۵، ص ۱۲۷۔ المتنظم: ج ۱، ص ۱۲۳.

۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۱۲۱.

۴. الجوادر المضيۃ: ج ۲، ص ۲۰۷، ش ۱۱۳۱.

۵. تذکرة الحفاظ: ج ۳، ص ۷۸۰.

۶. وفيات الاعیان: ج ۲، ص ۳۹۳۔ الانساب: ج ۳، ص ۲۸۲۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۱۳، ص ۱۹.

اس بارے میں ابن صفار اسفرائیتی کا بیان ہے: ”میں نے اپنے جدا مجد کو دیکھا کہ وہ استاد ابو اسحاق کی بارگاہ میں پہنچ لیکن ان کی بارگاہ میں داخل ہوتے وقت ان کا پاس ولحاظ نہیں کیا بلکہ صرف آستان کا بوسہ لیا، چند منٹ احتراماً کھڑے ہوئے اور پھر واپس پلٹ آئے لیکن جب ابو عوانہ کی قبر شریف پر پہنچ تو نہایت احترام کیا اور کافی دریتک زیارت کرتے رہے۔“ (۱)

۷۔ حافظ ابو حسن عامری کی قبر: ان کی وفات ۳۰۰ھ میں ہوئی، لوگ رات کے وقت ان کی قبر پر تلاوت قرآن اور دعا کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں، شعراء بھی ان کے غم میں مراثی لکھے اور مجلس برباپ کی ہیں۔ (۲)

۸۔ معتمد علی اللہ کی قبر: ان کا مکمل نام ”ابوالقاسم محمد بن المعتمد ظمی اندرسی“ ہے، ان کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی، شاعروں کا جووم ان کی قبر پر آ کر مدح سرائی کیا کرتا تھا اور ان کی شان میں طولانی قصیدے لکھتے تھے، مراثی لکھ کر گریہ و بکا کیا کرتے تھے، ایک مشہور شاعر ”ابو بحر“ نے ایک قصیدہ لکھا جس کے لیک شعر کا مفہوم یہ ہے: ”میں انساری کے ساتھ آپ کی خاک قبر کو چومنتا ہوں۔ میں نے آپ کی قبر کو اپنے قصیدے پڑھنے کا مقام قرار دیا ہے، قصیدہ پڑھنے کے بعد خاک قبر کو چوما، اپنے بدن کو قبر سے مس کیا، اپنے رخسار قبر پر رکھ دیئے اور تمام حاضرین پر گریہ طاری ہو گیا۔“ (۳)

۱۔ وفيات الاعيان: ج ۲، ص ۳۹۳۔ الانساب: ج ۳، ص ۳۸۲۔ سير اعلام النبلاء: ج ۱۲، ص ۳۱۹۔

۲۔ البداية والنهاية: ج ۱۱، ص ۳۷۵۔ یہ اپنے باپ کے بعد انلس کے حاکم تھے، یورپ کے بادشاہ سے جنگ کی اور اسے نیست و نابود کر دیا۔ انلس میں پانچتہ میں گرفتار کرنے لئے گئے اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔ (سير اعلام النبلاء: ج ۹، ص ۲۳)۔

۳۔ المواهـب الـلـدـنـيـة: ج ۳، ص ۳۹۰۔ شذرات الـذـهـب: ج ۵، ص ۳۸۸۔

وہابیت کا تقدیم جائزہ

۱۹۔ نصر بن ابراہیم مقدسی کی قبر: یہ شافعی مذہب کے بزرگ تھے، ۲۹۰ھ میں وفات پائی اور باب صغیر کے نزدیک فن ہوئے، ان کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ (۱)

۲۰۔ قاسم بن فیروہ شاطبی کی قبر: انہوں نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی اور قرافہ نامی مقام پر فن ہوئے، ان کی قبر مشہور اور زیارت گاہ ہے؛ میں نے خود بھی کئی بار اس قبر کی زیارت کی ہے۔ (۲)

۲۱۔ احمد بن حفیظ رحمی سنتی کی قبر: مراکش کے مقیم، ۲۰۱ھ، میں وفات پائی، کتاب نیل الابهاتج کے مؤلف کا بیان ہے: ”گز شہزادانوں سے آج تک اس قبر پر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور تمام لوگ اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، میں نے خود اس قبر کی پانچ سو سے زیادہ مرتبہ زیارت کی ہے اور تین راتوں سے زیادہ شب بیداری کی ہے!“ (۳)

۲۲۔ سفیان ثوری کی قبر: ابن حبان کا بیان ہے: ”ان کی قبر بصرہ میں بنی کلیب نامی قبرستان میں واقع ہے اور میں نے اس قبر کی زیارت کی ہے“۔ (۴)

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا کہ ذہبی کے بقول: ابن حبان، خراسان کے بزرگ حافظ اور تجوید میں ماہر تھے۔ اور ذہبی کے بقول: وہ نکتہ سخ فقیہ تھے، علم حدیث میں ایک مستقل کتاب بھی تحریر کی اور اہل سمرقند نے ان کی فقہ سے استفادہ کیا۔ حاکم نیشاپوری نے کہا کہ وہ علم فقہ، حدیث، زبان اور وعظ میں دریائے علم تھے اور بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے: ”وہ قابل اعتماد، شریف اور باہوش و فہیم انسان تھے“۔ (۵)

۱. المواهب اللدنیۃ: ج ۳، ص ۳۹۶۔ شذررات الذهب: ج ۲، ص ۳۹۷۔ العبر: ج ۲، ص ۳۶۳۔

۲. طبقات القراء: ج ۲، ص ۲۲۔ ۳. نیل الابهاتج: ص ۲۲۔

۴. کتاب الثقات: ج ۲، ص ۳۰۲۔ الانساب: ج ۱، ص ۵۱۷۔

۵. سیر اعلام النبلاء: ج ۱۲، ص ۹۲۔

ابن حبان تیسرا صدی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں، وہ اپنی فقہت و فضیلت اور اپنے علم کے باوجود زیارت کے لئے رخت سفر باندھتے ہیں اور زیارت کے لئے جاتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ زیارت کرنا حرام و ناجائز نہیں ہے، وہاں پول کے خلاف کہ وہ شرک اور حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ تمام بحث ان مطالب کا خلاصہ تھی جو تاریخی کتب، زندگی ناموں اور حدیثی کتب میں بیان ہوئے ہیں، ان دلائل کی بنا پر قبر رسول کی زیارت جائز ہے کیونکہ تمام بزرگان اسلام نے اس پسندیدہ عمل کو اپنایا ہے، نہ صرف یہ کہ پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کرتے رہے ہیں بلکہ ائمہ وصالحین، اولیاء و علماء کی قبور پر بھی زیارت کی غرض سے حاضری دیتے رہے ہیں، اس مبارک سفر کے لئے رخت سفر باندھتے رہے ہیں اور کسی نے بھی اس عمل کی تردید نہیں کی (۱)؛ اب جب کہ ہم تمام دلائل بیان کر چکے ہیں، ابن تیسیر اور اس کے مریدوں کے پاس ان دلائل کی کوئی تردید ہے؟ کیا شیعوں کا گناہ یہی ہے کہ وہ گزشتہ مسلمانوں کی سیرت کو عملی جامہ پہناتے ہیں؟ کیا وہ تمام لوگ جو اپنے مُردوں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں وہ سب شیعہ ہیں یا شیعوں کے حامی ہیں؟ کیا تمام زائر شیعہ ہیں؟ کیا ابن حزم یہ اور ابو علی ثقفی بھی شیعہ تھے؟ کیا حنبلہ کے بزرگ جو امام کاظمؑ کی زیارت کیا کرتے تھے وہ شیعہ تھے؟ کیا ابن حبان جو امام رضاؑ کی زیارت کرتے تھے وہ شیعہ تھے؟ کیا محمد ابن ادریس شافعی جو روزانہ قبر ابوحنیفہ کی زیارت کے لئے جاتے تھے وہ شیعہ تھے؟ کیا عائشہ شیعہ تھیں جو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی زیارت کو جاتی تھیں؟

.....

۱. سوائے ابن تیسیر کے کہ جو بے حد بے دین و بے ایمان ہو چکا تھا اور تمام علماء کی مخالفت کرتا تھا اور اسی کی پیروی کرتے ہوئے ابن عبدالواہب نے حرام قرار دیا۔ (مترجم).

علماءِ اہل سنت کے نظریات

۱۔ عسقلانی نے انس سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ”پیغمبر اکرم، ایک خاتون کے پاس سے گزرے، وہ خاتون ایک قبر پر پڑھی آہ و فغاں کر رہی تھی! پیغمبر اکرم نے فرمایا: صبرا ختیار کرو۔ اس روایت سے استفادہ کیا جاتا ہے کہ قبروں کی زیارت جائز ہے اور زیارت کے متعلق مردوزن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور زیارت چاہے کسی مون کی ہو یا کافر کی اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے!۔ کیونکہ اس روایت میں کسی فتنہ کی کوئی شرط بیان نہیں ہوئی ہے۔“

۲۔ نووی کا بیان ہے: ”اس روایت سے تمام علماء نے استفادہ کیا ہے کہ زیارت قبور جائز ہے، لیکن کتاب الحادی کے مصنف ماوردی کا بیان ہے: قبر کافر کی زیارت جائز نہیں ہے۔ لیکن ماوردی کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ماوردی نے سورہ توبہ کی آیت ۸۲ سے استفادہ کیا ہے ﴿لَا تقم علیْ قبره﴾ یعنی اس کی قبر کے پاس دعا کے لئے کھڑے نہ ہوا اور ان کی یہ دلیل اعتراض سے خالی نہیں ہے۔“

نووی مزید بیان کرتے ہیں: ”مردوں کے لئے زیارت قبور مستحب ہے، اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو مسلم نے پیغمبر اکرم سے نقل کی ہے: میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن آج بعد زیارت کے لئے جایا کرو کیونکہ یہ زیارت آخرت کی یاد کوتا زہ کرتی ہے۔“

۳۔ مالک سے زیارت قبور کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: رسول خدا نے پہلے تو منع کیا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔

مالک نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”اگر کوئی شخص زیارت قبور کے لئے جائے اور صرف خیر و نیکی کا خواستگار ہو تو میرے نزدیک اس زیارت

میں کوئی حرج نہیں ہے،“ (۱)

۲۔ سکھودی کا بیان ہے: ”جیسا کہ ندوی نے بیان کیا ہے کہ مردوں کے لئے زیارت قبور مستحب ہے، اس پر علماء کا اجماع ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مردوں کے لئے زیارت قبور واجب ہے“ (۲)

پیغمبر اکرمؐ اور قبر مادر کی زیارت

مسلم نسائی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی والدہ ماجدہ (جناب آمنہ خاتون) کی قبر کی زیارت کی، خود بھی گریہ کیا اور ان کے گریہ سے ان کے ہمزاوں نے بھی گریہ کیا، پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے پروردگار سے چاہا کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کروں تو خدا نے اجازت نہیں دی لیکن جب میں نے کہا کہ زیارت کے لئے جاؤں تو حق تعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمائی، لہذا تم بھی زیارت قبور کے لئے جایا کرو کہ یہ کام موت کی یادو لاتا ہے۔ (۳)

پیغمبر اکرم ﷺ کے والدین کا ایمان

تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرتؐ کے والدین خدا پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے وجود میں ذرہ برابر بھی شرک نہیں تھا، پیغمبر اکرمؐ کے نور مبارک کے پیش نظر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جس صلب سے آپؐ دنیا میں آئے وہ والدین شرک سے آلوہ ہوں؟ کیونکہ قرآن کی یہ آیت ﴿وَتَقَلِّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ اور وہ تمہاری حرکت

۱. ارشاد الساری: ج ۳، ص ۳۰۰.

۲. وفاء المرفاء: ج ۳، ص ۳۶۲.

۳. صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۵. الجنائز: نسائی، ج ۳، ص ۹۰. المصنف: عبد الرزاق، ج ۳،

ص ۵۷۲. سنن الکبری: ج ۳، ص ۱۲۸.

سجدہ کرنے والوں کے درمیان بھی دیکھتا ہے (۱)؛ آپ کی طہارت کو بیان کرتی ہے۔ مفسرین نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں مختلف نظریات بیان کئے ہیں جن میں سے چند نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سیوطی نے اپنی کتاب ”مسند“ میں ابن عمر عدنی سے، انھوں نے براز بن ابی حاتم سے، انھوں نے ابن ابی حاتم و طبرانی سے، نیز یہ حقیقت نے مجاہد سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ”یہ آیت اس بات کو سمجھاتی ہے کہ ایک پیغمبر سے دوسرے پیغمبر یہاں تک کہ پیغمبر اکرم تشریف لے آئے“۔ (۲)

۲۔ سیوطی نے اپنی کتاب ”ولاک النبوة“ میں ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابو نعیم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابن عباس سے نقل کیا: پیغمبر اکرم، ایک پیغمبر سے دوسرے پیغمبر کے صلب میں منتقل ہوتے ہے یہاں تک کہ اپنی والدہ کے رحم مبارک سے دنیا میں تشریف لائے۔ (۳)

۳۔ ابن مردویہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ میں نے پیغمبر اکرم سے پوچھا: آپ پر قربان جب آدم بہشت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ پیغمبر اکرم کے لبؤں پر تسمیہ آیا اور فرمایا: جب آدم زمین پر اتارے گئے اس وقت میں صلب آدم میں تھا، صلب نوح میں کشتمی میں سوار ہوا، صلب ابراہیم میں آتش نمرود میں پھینکا گیا، میرے والدین کبھی بھی فاحشات کی جانب نہیں گئے! خداوند عالم نے میرا پا کیزہ وجود پاک و پا کیزہ صلبوں سے منتقل کیا اور پاک و پا کیزہ رحم میں قرار دیا؛ انسانوں

۱. سورہ شعراء، ۲۱۹.

۲. الدر المنثور: ج ۵، ص ۹۸.

۳. ایضاً.

کے دو گروہوں میں سے بہترین صلب میں رہا، خدا نے مجھ سے نبوت کا عہد و پیمان لیا، اور اسلام کی جانب میری ہدایت فرمائی، میرا نام توریت و انجیل میں بھی رقم فرمایا، مشرق و مغرب کو میرے نور کے ذریعہ نور عطا کیا، اپنی کتاب مجھے سکھائی، مجھے بلند و بالا آسمانوں میں لے گیا اور اپنے بہترین نام سے میرا نام اخذ کیا، وہ محمود ہے تو اس نے میرا نام مدد کھا، خدا نے مجھ سے وعدہ کیا کہ حوض کوثر کو میرے ہاتھوں میں قرار دے گا، اس نے مجھے کوثر عطا کیا، میں پہلا شفیع ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جس کی شفاقت بارگاہ الہی میں قبول ہوگی، مجھے میری امت کے بہترین افراد میں قرار دیا اور نبوت عطا فرمائی، میری امت میرے پروردگار کی حمد و شناکرنے والی ہے، میری امت نیکیوں کا حکم دیتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ (۱)

سورہ شعراء آیت ۲۱۹ اور مذکورہ بالا پیغمبر اکرمؐ سے منقول روایت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاءؐ الہی کا صلب ہر قسم کی کشافت سے پاک اور ہر آلوگی سے صاف ہے، چونکہ شرک ایک نجاست ہے لہذا اس مبارک صلب میں شرک کا وجود نہیں۔
امنه بنت وہب (مادر پیغمبر اکرمؐ) بھی مومنہ، یکتا پرست اور شرک سے دور تھیں؛ اس بنابر جو روایت مسلم و بخاری نے پیغمبر اکرمؐ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ”میں نے خدا سے اپنی والدہ کے لئے طلب مغفرت کرنا چاہا تو خدا نے منع کر دیا“، اس سے آنحضرتؐ کی توہین اور بے احترامی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ بہت سے انصاف پسند شارحین نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔

انھیں شارحین میں سے ایک شارح شیخ منصور ہیں جنھوں نے اس روایت کی

۱. الدر المنثور: ج ۵، ص ۹۸

تفسیر کچھ انداز سے کی ہے: ”جناب آمنہ کا با ایمان نہ ہونا، جنتی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ اس دور میں زندگی گزارتی تھیں جب پیغمبر اہلی کا وجود نہیں تھا، اور تمام علماء کا نظر یہ ہے اس زمانے کے تمام افراد جنتی ہیں، یہاں تک کہ بعض عرفاء نے کہا ہے کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد خدا نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور انہوں نے رسالت پیغمبر کا اقرار کیا، لہذا یہ دونوں جنتی ہیں“۔ (۱)

ذکورہ بالا آیت کی مذکورہ تفسیر صرف شیعہ فرقہ سے مخصوص نہیں ہے (۲)؛ بلکہ اس بارے میں علمائے اہل سنت نے بھی روایات نقل کی ہیں، مثلاً سیوطی نے ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو عیم اور عرنی کے حوالہ سے، نیز راز و طرائقی نے مجاہد اور ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ (۳)

فخر رازی کی تفسیر (۴) بھی اس بات کا منہج بولتا شاہکار ہے کہ یہ تفسیر صرف شیعہ فرقہ سے مخصوص نہیں ہے۔ (۵)

۱. الناج الجامع للاصول: ج ۱، ص ۳۸۲۔

۲. علامہ رضا خنزیری کا بیان ہے: ”یہ آئیہ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے آباؤ اجداد با ایمان اور یکتا پرست تھے، وہ خالق یکتا کو سجدہ کرنے والوں کے صلب سے سجدہ کرنے والوں کے صلب میں ہی منتقل ہوتے رہے“۔ (ابو طالب و بنوہ: سید علی خان، ص ۲۱۹۔ منیۃ الراغب: طبعی، ص ۵۲)۔

۳. المیزان: ج ۱۵، ص ۳۷۴۔

۴. التفسیر الکبیر: ج ۲۲، ص ۳۷۳۔

۵. جو دلائل شیعہ فرقہ نے آباؤ اجداد پیغمبر اکرمؐ کی طہارت و پاکیزگی کے متعلق بیان کئے ہیں، ان کے علاوہ آئیہ شریفہ سے مندرجہ ذیل نکات بھی حاصل ہوتے ہیں:

الف: یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کی اس عبادت کی جانب اشارہ کرتی ہے جو آپ تاریک راتوں میں مجالاتے تھے، مظلوموں کی فریادوں کی تھے اور عابدوں کی احوال پر سی فرماتے تھے۔

ب: یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نماز جماعت کا زینہ فراہم کرتے تھے تو اس وقت بھی خدا آپ کا نگہبان تھا اور جب آپ گمازوں کی تھتب بھی خدا آپ پر نظر عنایت رکھتا تھا۔

ج: جس طرح خداوند عالم ہر انسان کے اعمال سے باخبر ہے اسی طرح سجدہ کرنے کے عالم میں.....

ایک اہم نکتہ

بڑے افسوس کی بات ہے کہ جو مغلظات رسول اسلام کی شان والا صفات میں بیان ہوئی ہیں ایسی ہی کچھ گستاخیاں آپ کے شفیق و ہمدرم چا ”جناب ابوطالب“ کی شان والا مقام میں بھی ہوئی ہیں جب کہ ابوطالب اس ہستی کا نام ہے جس کی معرفت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، ان کے اشعار اور پیغمبر اکرم کو مدح و ثنا کا علم ہونا ضروری ہے، ان کے اشعار سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ مؤمن اور یکتا پرست تھے اور پیغمبر اکرم کی رسالت کے معتقد تھے، لیکن قوم و ملت کا تعصّب اتنا بڑھا کر ان کے

~~رسول اسلام کے حالات سے بھی آگاہ ہے۔~~

د: پیغمبر اکرم، نماز یوں کو اپنی پیٹھ کے پیچے بھی دیکھتے تھے، آپ نے فرمایا: ”رکوع وجود کو مکمل طریقہ سے انجام دو، خدا کی قسم میں تمہیں پیچے سے بھی دیکھ رہا ہوں۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ بالا چار احتمالوں کا ذکر ہوا ہے، جن میں سے کوئی ایک تفسیر دوسری تفسیر بھی ترتیج نہیں رکھتی؛ البتہ ایک یاچھا احتمال بھی ہے جس کی تائید بعض روایات کرنی ہیں، اس پاپر آیت کا مقصود یہ ہے کہ ”غدا و نعالم“ نے آپ کاملاً پاک ایک بھگ کرنے والے سے دوسرا بھگ کرنے والے میں منتقل کیا۔

لہذا اس آیت کی یہ تمام تفسیریں بغیر کسی ترجیح کے ممکن ہیں کیونکہ آنحضرت نے خوارشافرہ میا: ”میں پاک اصلاح سے پاکیزہ اصلاح میں منتقل ہوںتاہا، قرآن کے مطابق، (انما المُمْشُوكُ نَحْنُ) (جودہ تو بہرہ ۲۸۷)“ کفر اور شرک نے خاست ٹھاکر ہوتے ہیں اور کفر و بخاست پاک و پاکیزہ اصلاح کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں؟ لہذا آپ کے والدین یقیناً مسلمان تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن کہہ رہا ہے: «جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا ہے! اس کا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے آباء اجاد بھی کافر ہوتے ہیں! تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ ”قرآن کرم میں بعض مقامات پر باپ کو بچپن کے معنی میں شمار کیا گیا ہے، مثلاً قرآن نے بنی اسرائیل کی فتح کو یونانیوں کی ہے جو انھوں نے جناب یعقوب سے کی۔ نَعْبُدُ الَّهَ كَوَّا لَهُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ» (سورہ بقرہ ۱۳۲، ۱۳۳)

اس میں جناب اسماعیل کو جناب یعقوب کا باپ قرار دیا گیا ہے جب کہ وہ ان کے بچا تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کی تفسیر کو تم احتالوں کے بلبوٹہ پر یمان کرنا جائز نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ: ”پھر بات یہ ہے کہ ایک لفظ کی کئی معانی ہو سکتے ہیں دوسری بات یہ کہ اگر چار احتمالات چاہت نہ ہو سکیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پانچواں احتمال بھی باطل ہے!“

ایمان کو کفر کی تہمت سے داغدار کر دیا گیا جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ ابوطالبؓ نے کیتا پرسی
کے عالم میں، ہی دارفنا سے دار بقا کی جانب کوچ کیا۔

ابوطالبؓ کی شان میں ابن کشیر کا بیان، انسان کو حیرت زدہ کر دیتا ہے، ابن کشیر کا بیان
ہے: ”هم نے پہلے بھی بیان کیا کہ ابوطالبؓ، رسول اکرمؐ کے حامی و محامی اور ناصر و مددگار
تھے، ان کے دشمنوں کے خلاف آواز احتجاج بلند کرتے تھے، دشمنوں کے شر کو آپؓ سے اور
آپؓ کے اصحاب سے دور کرتے تھے، مستغل رسول اکرمؐ کی مدح و ثناء میں لب کشار ہے
تھے، اپنے اشعار کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ اور آپؓ کے اصحاب کی مدح و ثناء اور ان کے دشمنوں کی
نمذمت کیا کرتے تھے، کھل الفاظ میں پیغمبر اکرمؐ کی موافقت اور آپؓ کے دشمنوں کی نمائالت
کیا کرتے تھے، ابوطالبؓ کی یہ تمام الافت و محبت صرف عرب کا قومی تعصّب تھا، باوجود اس
کے کہ ابوطالبؓ یہ جانتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ ایک صادق و امین شخص ہیں پھر بھی وہ ان پر دل
سے ایمان نہیں لائے۔“ (۱)

جی ہاں! بے جا تعصّب، انسان کو کتنی گہری کھائی میں گرا سکتا ہے، اس کا اندازہ لگانا
کوئی دشوار کام نہیں ہے، ابن کشیر کے بیان سے سمجھ میں آتا ہے کہ گویا وہ ابوطالبؓ کے دل
میں رہتا تھا جو ان کے دل کی بات بھی محسوس کر لی! یا نعوذ باللہ اس کو خیانت کاروں کی
شناخت تھی کہ ابوطالبؓ کی خیانت کو پہچان لیا کہ ان کے دل میں شرک ہے! لہذا اس نے
کہہ دیا کہ ابوطالبؓ، پیغمبر اکرمؐ کی تصدیق کرتے تھے لیکن دل سے ایمان نہیں لائے

۱. البداية والنهاية: ج ۱، ۱، ص ۱۲۳۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ابن کشیر نے ابوطالبؓ کی مدح
سرایی کی لیکن آخر میں آخر خاندان علیؐ کے کینہ نے یہ اجازت نہیں دی کہ ثابت نتیجہ اخذ کر سکے، بلکہ منفی نتیجہ کا لالا
اور کہہ دیا کہ یہ سب کچھ قومی تعصّب کی بنابر تھا جب کہ ابوطالبؓ کے اشعار بہانگ دل پکار رہے ہیں کہ ”محمد
اللہ کے رسول ہیں“، جو ابوطالبؓ کے ایمان کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ (مترجم)۔

تھے۔ جی ہاں! ابن کثیر اور اس جیسے کچھ فکر افراد کے کینہ کی دلیل صرف یہ ہے کہ ابوطالب علیؑ کے والد گرامی ہیں، اگر بالفرض ابوطالبؑ معاویہ کے والد ہوتے تو ابن کثیر کبھی بھی ایسی گستاخی نہ کرتا بلکہ جس طرح ابوسفیان کی شان میں رطب اللسان ہوا ہے اسی طرح یا اس سے کہیں زیادہ ابوطالبؑ کی تعریف و تمجید کرتا۔



jabir.abbas@yahoo.com

jabir.abbas@yahoo.com

بابِ حجۃ

خواتین کا زیارت قبور کے لئے جانا

خواتین کے لئے زیارت قبور کا جواز

یہاں یہ بحث مقصود ہے کہ کیا مستورات کا زیارت قبور کے لئے قبرستان میں جانا
جا سزا ہے؟

مردی ہے کہ جناب فاطمہؓ اپنے بابا کی حیات میں اور بعدوفات بھی ہر جمعہ کو
شہدائے احمد اور جناب حمزہؓ کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتی تھیں، نہ تو فاطمہؓ
زہراؓ کو علیؓ نے منع کیا، نہ ہی رسول اکرمؐ نے منع فرمایا اور نہ ہی کسی صحابیؓ نے اعتراض کیا،
دوسری جانب سے جناب فاطمہؓ، دوسروں کی بہ نسبت دین و شریعت سے زیادہ آگاہ
تھیں، آپؓ اپنے بابا کی شریعت کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتی تھیں! اور آپؓ بارہا زیارت

- کے لئے تشریف لے جاتی تھیں (۱)، اس کے متعلق چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:
- ۱۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہؓ ہر ہفتہ بروز جمعہ، جناب حمزہؓ کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتی تھیں، وہاں پہنچ کر نماز پڑھتی تھیں اور گریہ کرتی تھیں۔ (۲)
 - ۲۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہؓ زہراؓ ہر دو تین دن میں ایک بار شہدائے احمد کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتی تھیں، وہاں نمازادا کرتی تھیں، دعا کرتی تھیں اور گریہ فرماتی تھیں۔ (۳)
 - ۳۔ مروی ہے کہ عائشہ اپنے بھائی ”عبد الرحمن“ کی قبر کی زیارت کے لئے مکہ جایا کرتی تھیں، ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے: ”میں نے عائشہ کو عبد الرحمن کی زیارت کرتے دیکھا، عبد الرحمن نے جُب شی (☆) میں وفات پائی اور مکہ میں دفن کیا گیا۔“ (۴)
 - ۴۔ دوسرے مقام پر ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے: ”میں نے عائشہ کو زیارت قبور سے واپس آتے دیکھا تو میں نے سوال کیا: کیا پیغمبر اکرمؐ نے زیارت قبور کی نہیں فرمائی؟ عائشہ نے جواب دیا: ہاں! منع کیا تھا لیکن بعد میں زیارت کا حکم دے دیا تھا۔“ (۵)

.....

۱. جو خواتین کے لئے زیارت قبور کے جواز کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ (مترجم)۔

۲. المصنف: ج ۳، ص ۵۷۲۔ السنن الکبیری: ج ۳، ص ۱۳۱۔

۳. السنن الکبیری: ج ۳، ص ۱۳۱۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۵۳۳۔

۴. مکہ کے نزدیک ایک مقام۔ (☆) المصنف: ج ۳، ص ۵۷۰۔

۵. السنن الکبیری: ج ۳، ص ۱۳۱۔

روایت کا تنقیدی جائزہ

پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے: ”خداوند عالم لعنت کرے ان مستورات پر جو زیارت قبور کے لئے جائیں“۔ (۱)

اس روایت پر چند اعتراض ہیں جو ممندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حاکم و ذہبی نے بیان کیا ہے: ”یہ روایت، بریدہ کی روایت کے ذریعہ منسوب ہوئی ہے، عائشہ سے منقول روایت سے بھی تعارض سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ عائشہ سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں زیارت کا حکم دے دیا تھا“ (۲)؛ ذہبی نے عائشہ سے منقول روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ یہ روایت عائشہ کے عمل سے سازگار نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمنؐ کی زیارت کو جاتی تھیں، عبدالرحمنؐ کی وفات ۵۷ھ میں مکہ کے نزدیک ایک پہاڑ کے قریب ہوئی، ان کے جنازہ کو مکہ میں لا کر سپرد خاک کیا گیا۔ کیا عائشہ حکم رسولؐ کی مخالفت کر کے اس روایت کے تحت مستحق لعنت قرار پانچاہتی تھیں!۔

۳۔ یہ روایت جناب فاطمہؓ کے عمل سے بھی سازگار نہیں ہے، کیونکہ آپؐ قبل رسُولؐ کی زیارت کو جاتی تھیں اور ہر ہفتہ شہداء احمدؐ کی زیارت فرمایا کرتی تھیں، کیا جناب فاطمہؓ سنت رسولؐ کی مخالفت کرنا چاہتی تھیں؟ کیا آپؐ سنت رسولؐ سے واقف نہیں تھیں؟ باوجود اس کے کہ ”گھروالے اس چیز سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہوتی ہے“، لہذا جناب فاطمہؓ بھی دوسروں کی نسبت سنت رسولؐ سے زیادہ آگاہ تھیں۔

۱۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری کے علاوہ دیگر منون میں یہ روایت منقول ہے۔ (المصنف: ج ۳، ص ۵۶۹).

۲۔ السنن الکبیری: ج ۳، ص ۱۳۱۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۳۷۲۔

جناب فاطمہؓ اپنے بابا کی زندگی میں بھی سات سال تک مستقل شہدائے احمد کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں اور پیغمبر اکرمؐ نے کبھی بھی منع نہیں کیا! اسی طرح جناب فاطمہؓ اپنے بابا کی وفات کے بعد بھی زیارت کے لئے جاتی تھیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ”جب رسول خدا کو دفن کیا گیا تو فاطمہؓ نے قبر رسولؐ سے خاک اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر ملی، پھر گریہ کرتے ہوئے اشعار پڑھے (۱)“ اگر خواتین کے لئے قبرستان جاننا حرام تھا تو علیؓ اور صحابہ کرام نے فاطمہؓ کو منع کیوں نہیں کیا؟!

خواتین کیلئے زیارت قبور کے جواز میں علمائے اہل سنت کے فتوے

علمائے اہل سنت نے فتویٰ دیا ہے کہ مستورات کے لئے بھی زیارت قبور جائز ہے، اس روایت میں جو حرام قرار دیا گیا ہے وہ خواتین کی بے صبری کی دلیل کے پیش نظر ہے، اگر وہ بھی صبر و استقامت کا اظہار کریں تو ان کے لئے بھی زیارت قبور میں کوئی حرج نہیں ہے! بلکہ ان کے لئے بھی جائز ہے کہ قبروں کی زیارت کریں، بعض اہل سنت کے فتاویٰ اس انداز سے ہیں:

- 1- الناج الجامع للاصول کے مصنف کا فتویٰ ہے: ”اس روایت میں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ خواتین کے لئے قبروں کی زیارت حرام ہے لیکن یہ خواتین کی بے صبری کے پیش نظر ہے، ہر وہ روایت جس نے خواتین کو تشیع جنائزہ میں شرکت کرنے سے منع کیا ہے یا قبرستان میں جانے سے روکا ہے اس روایت کا حاصل یہی ہے، خواتین کے لئے زیارت قبور اسی صورت میں جائز ہے جب وہ صبر و دباری کا اظہار کریں اور اپنے حُسن کو ناحرموں کے لئے تماشہ نہ بنائیں، اسی طرح خواتین کے ہمراہ ان کے شوہر یا

۱۔ ارشاد الساری: ج ۳، ص ۳۵۲

پانچویں فصل: خواتین کا زیارت قبور کے لئے جانا

(۱۵۵)

کوئی اور حرم افراد موجود ہوں تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو عائشہ نے رسول سے سوال کیا کہ کیسے زیارت کریں؟ تو آنحضرت نے فرمایا: ”اس طرح کہو: السلام علی اہل الدیار من المؤمنین و المسلمين“ یعنی اے مؤمنین و مسلمین کے گھروں کے ساکنیں! آپ پر ہمارا سلام ہو۔ (۱)

اس فتویٰ کی دوسری دلیل، عائشہ کا عمل ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر کی زیارت کی اور جب عبداللہ نے اعتراض کیا تو کہا: رسول خدا نے اس زیارت کی نہی فرمائی تھی لیکن بعد میں حکم دے دیا تھا۔ (۲)

۳۔ ملاعی قاری کا فتویٰ ہے: ”ظاہراً اس روایت“ میں نے پہلے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب زیارت کے لئے جایا کرو“ سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم عام ہے، اگرچہ اس روایت میں عربی گرامر کے اعتبار سے مذکور کے صیغہ استعمال ہوئے ہیں لیکن اس حکم میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں الہذا شرائط کے ملحوظ نظر، خواتین بھی زیارت قبور کے لئے جا سکتی ہیں۔

پیغمبر اکرم کی ایک روایت بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہے، روایت کا مفہوم یہ ہے: ”پیغمبر اکرم اس عورت کے پاس سے گزرے جو قبر پر گریہ کر رہی تھی تو آپ نے اسے صبر کی تلقین کی لیکن زیارت قبور سے منع نہیں کیا۔“ (۳)

۴۔ ابن عبد البر کا فتویٰ: ”عورتوں کے لئے زیارت قبور کو جائز جانے والے عبداللہ ابن محمد سے منقول روایت پر عمل کرتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے: ابن ابی ملکیہ کہتا ہے

۱. المصنف: ج ۳، ص ۵۷۔

۲. الناج الجامع للاصول: ج ۲، ص ۳۸۱۔

۳. مرقة المفاتیح: ج ۲، ص ۲۲۸۔

کہ میں نے عائشہ کو زیارت قبور سے واپس ہوتے دیکھا تو پوچھا: کیا پیغمبر اکرم نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! منع کیا تھا لیکن بعد میں حکم دے دیا تھا۔^(۱)

اسی طرح ابن ابی ملکیہ کا بیان ہے: ”عائشہ، اپنے بھائی کی قبر کی زیارت، ناقہ پر سوارِ عمراری سے کیا کرتی تھیں؟“ -

ابو بکر کا بیان ہے: ”مرد نے ایک روایت نقل کی، جس میں کہا: نوح بن دراج نے ابا بن تغلب سے نقل کیا کہ جعفر بن محمد نے فرمایا: فاطمہ بنت رسول ہر جمعہ کو جناب حمزہ کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتی تھیں، آپ نے اس قبر پر نشانی کے طور پر ایک پتھر بھی لگایا۔^(۲)

۳۔ ابن عبد البر نے ابو بکر سے نقل کیا: ”احمد بن حنبل سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو زیارت قبور کے لئے جاتی ہے! انھوں نے جواب دیا: مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے؛ پھر ان سے پوچھا گیا: کیا عائشہ اپنے بھائی کی قبر پر زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابن عباس سے منقول پیغمبر اکرم کی روایت ہے: خدا کی لعنت ہوان عورتوں پر جو زیارت قبور کے لئے جائیں لیکن اس حدیث کے سلسلہ میں ابو صالح بھی موجود ہے! گویا احمد بن حنبل اس کو ضعیف بتانا چاہر ہے ہیں، آگے کہا: انشاء اللہ کہ عائشہ اپنے بھائی کی قبر پر زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں۔^(۳)

۱. ذہبی نے اس حدیث کو صحیح شمار کیا ہے۔ (مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۳۷۶)۔

۲. التمهید فی شرح الموطأ: ج ۳، ص ۲۳۷۔

۳. ایضاً۔

۵۔ حافظ البانی نے اس روایت کا تذکرہ کیا جس میں رسول خدا نے زیارت قبور کیلئے جانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے، اس کے بعد کہا: ہم نے بہت تلاش کیا لیکن اس روایت کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں مل پائی، اس روایت کا اگلا حصہ یہ ہے کہ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو قبروں پر چراغ جلا کیں، یہ حصہ تو خود ہی قابل تردید ہے لہذا میں اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس روایت کو پیغمبر اکرمؐ کی جانب منسوب نہ کریں کیونکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (۱)

۶۔ ابن عابدین کا فتویٰ ہے: ”سوال کیا گیا: کیا مستورات کے لئے قبر رسولؐ کی زیارت مستحب ہے؟ جواب دیا: ہاں! صحیح قول کی بنابر مساحتب ہے اور اس امر میں کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں؛ البتہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے کہ جب ان شرائط کی رعایت کی جائے جن کا تذکرہ علماء کرام نے کیا ہے، لیکن ہماری نظر میں کرنی وغیرہ کا قول درست ہے کہ مردوزن سب کے لئے زیارت کرنا جائز ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ کرنی کے علاوہ بھی دیگر علماء نے کسی قسم کی قید نہیں لگائی ہے جس سے بمحض میں آتا ہے کہ زیارت قبور خواتین کے لئے بھی مستحب ہے، یہاں تک کہ کتاب ”شراللبات“ کے مصنف کا اعتقاد ہے کہ زیارت قبور واجب ہے۔“ (۲)

ترمذی کا بیان ہے: ”رسول اکرمؐ نے ان خواتین پر لعنت کی ہے جو زیارت قبور کے لئے جاتی ہیں، یہ حدیث صحیح ہے لیکن بعض علماء کا نظر یہ ہے کہ یہ حدیث اس وقت سے مربوط ہے جب آپؐ نے زیارت قبور کی اجازت نہیں دی تھی! لیکن جب حضورؐ نے اجازت دے دی تو اس وقت مردوزن دونوں کے لئے جائز ہو گیا، بعض علماء نے

۱۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة و اثرها السلبي في الأمة: ص ۲۶۰.

۲۔ رَدُّ المُخْتَار عَلَى الدَّرِّ المُخْتَارِ: ج ۲، ص ۲۲۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۲۱۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

کہا ہے: خواتین کی بے صبری کے پیش نظر ان کے لئے زیارت قبور کو مکروہ فرار دیا گیا ہے۔^(۱)

۸۔ قسطلانی کا فتویٰ ہے: ”خواتین کے لئے قبر رسول کی زیارت مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ ابن الرفعۃ اور قویی نے کہا ہے کہ خواتین کے لئے دیگر انیاء و اولیاء کی زیارت بھی مستحب ہے۔^(۲)

روایت کی سند کا تحقیقی و تقدیدی جائزہ

خواتین پر لعنت والی روایت کوتین طرق سے نقل کیا گیا ہے، حسان بن ثابت، ابن عباس اور ابو ہریرہ، لیکن اہل سنت کتب میں یہ روایت ایک جیسی نہیں آئی ہے کہ جن میں سے بعض کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے:

۱۔ ابن ماجہ نے اس حدیث کو تین طرق سے نقل کیا ہے۔^(۳)

۲۔ احمد نے یہ روایت، حسان بن ثابت^(۴)؛ اور ابو ہریرہ^(۵) یعنی دو طرق سے نقل کی ہے۔^(۶)

۳۔ ترمذی نے یہ روایت صرف ابو ہریرہ کے طریق سے نقل کی ہے۔^(۷)

۴۔ ابی داؤد نے اس روایت کو ابن عباس کے طریق سے نقل کیا ہے۔^(۸)
بخاری و مسلم نے اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے، دیگر صاحبان سنن نے بھی تینوں طرق سے کسی ایک طریق پر اتفاق کا انہما نہیں کیا البتہ حدیث ابو ہریرہ یا طریق سوم

۱. ارشاد الساری: ج ۳، ص ۳۰۰.

۲. الجامع الصحیح: ج ۳، ص ۳۷۲.

۳. مسنڈ احمد: ج ۳، ص ۳۲۲.

۴. سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۵۰۲.

۵. الجامع الصحیح: ج ۳، ص ۳۷۰.

۶. ایضاً: ج ۲، ص ۳۳۷.

۷. ایضاً.

۸. سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۱۸.

جوابن ملجم، احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اس پر اتفاق ہے۔

پہلے طریق کے بارے میں فقط ابن ملجم اور احمد کی ایک رائے ہے، دوسرے طریق کے بارے میں ابو داؤد اور ابن ملجم کی ایک رائے ہے۔ جس طریق پر ابن ملجم و احمد دونوں نے ایک ہی رائے پیش کی ہے اس کے سلسلہ سند میں عبد اللہ بن عثمان خشم کا وجود ہے، دورقی نے ابن معین سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی حدیث قوی نہیں ہوتی۔ ابو حاتم نے بھی ابن عثمان کے بارے میں دو نظریات بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک نظریہ کی بناء پر ابن عثمان خشم کی روایات سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ نسائی کا اعتقاد ہے کہ ابن عثمان کی روایات میں مشکلات ہیں (۱)؛ اسی طرح اس روایت کے سلسلہ میں عبدالرحمن بن یہمان کا وجود ہے کہ جس سے صرف ابن عثمان خشم نے ہی روایت نقل کی ہے، اور مدینی کا کہنا ہے کہ میں اس کو نہیں پہچانتا۔ (۲)

دوسرے طریق کے سلسلہ سند میں ”ابو صالح باذان“ کا نام بھی ہے، ابو حاتم کا بیان ہے: ”اس کی روایات قابل استفادہ نہیں ہیں،“ نسائی کا اعتقاد ہے کہ وہ لثہ اور قابل اعتماد نہیں ہے۔ ابن عذر کا نظریہ ہے کہ میں نے گذشتہ علماء میں سے کسی کو بھی اس سے راضی نہیں دیکھا۔ (۳)

تیسرا طریق کے سلسلہ سند میں عمر ابن ابی سلمہ کا وجود ہے، اس کے بارے میں نسائی کا بیان ہے: ”اس کی روایتیں قوی نہیں ہیں،“ ابن خزیمہ کا بیان ہے: ”اس کی روایتوں سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا،“ ابن معین نے بھی اس کی روایات کو ضعیف شمار کیا ہے، ابو حاتم کا نظریہ ہے کہ اس کی روایتوں سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۴)

.۱. ایضاً.

.۲. میزان الاعدال: ج ۲، ص ۳۵۹.

.۳. سیر اعلام البلاء: ج ۲، ص ۱۳۳.

.۴. تهذیب الکمال: ج ۲، ص ۶.

نتیجہ یہ ہوا کہ اس روایت کے تینوں مذکورہ بالاطر ضعیف ہیں اور قبل اعتماد نہیں ہیں شاید اسی باعث مسلم و بخاری نے یہ حدیث نقل نہیں کی ہے۔ اگر ان اعتراضات سے غض نظر کیا جائے تو بھی اس روایت کی توثیق میں فقہائے نے فتویٰ دیا ہے کہ زیارت قبور تمام مردوzen کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے۔



jabir.abbas@yahoo.com

وہابیت
کا تقدیمی جائزہ



مقبروں کے پاس نمازو دعا

قبرسوں اور دیگر قبروں کے نزدیک نمازو دعا
وہابی فرقہ، قبروں کے پاس نمازو دعا کو حرام جانتا ہے اور اس کو کفر و شرک شمار کرتا ہے، ابن تیمیہ نے اس بارے میں کہا ہے: ”جب صحابہ کرام قبرسُوں پر جاتے تھے تو آنحضرت کو سلام کرتے تھے لیکن جب دعا کرنا چاہتے تھے تو انہار خ قبلہ کی جانب کر کے دعا کیا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری قبروں پر کیا کرتے تھے؛ اس بنا پر کسی بھی رہب و پیشوں نے نہیں کہا کہ قبر کے نزدیک نمازو دعا منتخب ہے؛ اسی طرح علماء نے دوسرے مقامات کی مانند قبرسُوں کو بھی ایک معمولی جگہ شمار کیا ہے (۱)؛ بلکہ تمام علماء کا

۱۔ یعنی معاذ اللہ! دوسری قبروں کی مانند قبرسُوں بھی صرف ایک قبر ہے، کسی دوسری قبر سے کوئی فضیلت نہیں رکھتی۔ (مترجم)۔

اجماع ہے کہ ان بیانے الٰہی وصالحین کی قبور کے نزدیک نماز پڑھنے سے بہتر اپنے گھروں میں نماز پڑھنا ہے، چہ جائیکہ ان قبور کو مزار کا نام دیا جائے!۔ (۱)

ابن تیمیہ کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ

ا۔ ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو قید و شرط کے بغیر، قبر کے پاس نمازو دعا کو جائز شمار کرتے ہیں اور ان بیانے الٰہی وصالحین کی قبور کا مرتبہ تو عام قبور سے کہیں بلند و برقت ہے!۔ (۲)

۲۔ شریعت کے رو سے ہر مقدس مقام پر نمازو دعا اور عبادت کو ترجیح دی گئی ہے۔ دوسری جانب سے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہر مقام کی عظمت صاحب مقام کی نسبت سے ہوتی ہے اور ان بیانے الٰہی کی قبور کا تقدس اس مقام کے تحت ہے جو انھیں خداوند عالم نے عطا فرمایا ہے، لہذا ان ہستیوں کی قبور کے پاس نمازو دعا برتری کی حامل ہے۔

۳۔ سورہ نساء آیت ۲۲ کا بعض حصہ دلالت کرتا ہے کہ قبر پیغمبرؐ کے نزدیک دعا کرنا ترجیح کا حامل ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَوْاَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْغَفِرُو اللَّهُ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْ جَدُّ وَاللَّهُ تَوَابًا رَّحِيمًا﴾ یعنی جس وقت ان ستمگروں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور فرمان الٰہی کو اپنے بیرونیں تلے روندا، اگر وہ تمہارے پاس آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور خدا کا رسول بھی ان کے لئے مغفرت کا خواستگار ہوتا تو بے شک وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے!۔ اس آیت میں

۱۔ رسالتہ زیارتۃ القبور: ص ۵۹۔

۲۔ آخر ابن تیمیہ نے اجماع کا دعویٰ کیسے کر دیا؟ تمام علماء و فقهاء نے قبور کے پاس نمازو دعا کو جائز شمار کیا ہے۔ (متترجم)۔

چھٹی نصلی مقبروں کے پاس نمازو دعا

﴿۱۶۳﴾

پیغمبر اکرمؐ کے پاس آنعام ہے، چاہے آپؐ کی حیات میں ہو یا بعد وفات! اور آپؐ کا وقار و احترام بعدوفات بھی ایسا ہی ہے جیسے آپؐ کی حیات مبارک میں!، شمس الدین جزری کا بیان ہے: ”اگر قبر رسولؐ کے پاس دعا مستجاب نہیں ہوگی تو پھر کہاں مستجاب ہوگی؟“۔

۲۔ سیرت فاطمہ زہراؓ: جناب فاطمہؓ ہر جمعہ کو سید الشہداء حمزہؑ کی قبر پر جایا کرتی تھیں، وہاں نماز پڑھتی تھیں اور گریہ و بکار کرتی تھیں۔ (۱)

حاکم نیشاپوری کا بیان ہے: ”اس روایت کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں، میں نے زیارت قبور کے متعلق بہت زیادہ تحقیق کی ہے، صاحبان فہم و فراست کو معلوم ہونا چاہئے کہ زیارت قبور ایک حقیقی سنت ہے۔“

اس پر بھی خورکجھے کہ جناب حمزہؑ میں شہید ہوئے، اور پیغمبر اکرمؐ نے ابھی میں دارفانی سے داربقا کی جانب کوچ فرمایا، یعنی حمزہؑ و پیغمبرؐ میں سات سال کا فاصلہ ہے، فاطمہ زہراؓ سات سال تک زندگانی پیغمبرؐ میں قبر حمزہؑ پر جاتی رہیں لیکن حضورؐ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ (۲)؛ اہل سنت کے مطابق، رحلت رسولؐ کے بعد جناب فاطمہؓ چھٹی نصلی زندہ رہیں۔ (۳)

۱. المصنف: ج ۳، ص ۵۷۲۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۷۷۔ السنن الکبیری: ج ۲، ص ۱۳۱۔

تمہید شرح موطاً مالک: ابن عبد البر، ج ۳، ص ۲۳۲۔

۲. اصولی اعتبار سے رسول خداؐ کی خاموشی بھی جھت ہے، لہذا قریبی زیارت کرنا اور اس کے نزدیک نمازو دعا سمجھ ہے، جس پر رسول خداؐ نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔ (متترجم)۔

۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۱۲۷۔

جناب فاطمہؓ اس زمانے میں بھی صحابہ و امام علیؑ کے موجود ہوتے ہوئے زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں لیکن کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ (۱)

اسی طرح مردی ہے کہ جناب فاطمہؓ ہر دو تین روز میں ایک بار شہدائے احمد کی زیارت کو تشریف لے جاتی تھیں، وہاں نماز پڑھتی تھیں، دعا کرتی تھیں اور آہ وزاری میں محور ہتھی تھیں۔ (۲)

یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ وہ فاطمہؓ جن کا غیظ و غضب خدا کا غضب اور جن کی خوشنودی خدا کی رضا یت ہو، وہ شریعت سے واقف نہ ہوں اور سنت رسولؐ کی مخالفت کرتے ہوئے زیارت قبور کے لئے جائیں! (۳)؛ کیا یہ موضوع ابن تیمیہ کی نظر سے نہیں گذر اتھا جو اس نے یہ جسارت کی کہ: ”کسی بھی پیشوائے یہ نہیں کہا ہے کہ قبروں کے پاس نماز و دعا مستحب ہے“!۔ (۴)

۵۔ مسلمانوں کی سیرت: گزشتہ زمانوں سے آج تک امت مسلمہ کی سیرت رہی ہے کہ وہ صالحین و مؤمنین کی قبروں کے پاس نماز و دعا پڑھتے آئے ہیں (۵)؛ ان میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱. کیا صحابہؓ کو یہ برداشت ہو سکتا تھا کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے سنت رسولؐ پاممال ہو؟ ان تمام لوگوں کی خاموشی اسی بات پر پرداالت کرتی ہے کہ زیارت قبور اور وہاں نماز و دعا سنت رسولؐ کے خلاف نہیں ہے۔ (مترجم).

۲. وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۹۳۲۔ کشف الارتیاب: ج ۲، ص ۲۸۱۔

۳. فتح الباری: ج ۷، ص ۱۳۱۔

۴. زیارت القبور: ص ۱۵۹۔

۵. تحفۃ الذکرین: ص ۳۲۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۰۱، ص ۱۰۷۔

الف: عمر ابن خطاب کی سیرت: ”طبری کا بیان ہے: جب عمر اپنے کاروان کے ساتھ حج کے لئے گئے تو ایک بوڑھے انسان نے ان سے مدد طلب کی، جب حج سے واپس آئے تو ابواء نامی مقام پر اس بوڑھے انسان کی تلاش میں لگ گئے، معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا اس دنیا سے کوچ کر چکا ہے، طبری آگے بیان کرتے ہیں: گویا ہم عمر کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ بوڑھے کی قبر پر گئے، وہاں نماز پڑھی اور قبر پر گر کر گریہ کرنے لگے۔“ (۵)

ب: امام شافعی کا بیان ہے: ”میں ابوحنینہ کی قبر کو متبرک سمجھتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر جاتا ہوں، اگر کسی مشکل سے روبرو ہوتا ہوں تو اس قبر کے پاس دور کعت نماز پڑھتا ہوں اور اپنی حاجت طلب کرتا ہوں اور میری حاجت فوراً پوری ہو جاتی ہے۔“ (۱)

ج: معروف کرنخی کی قبر کے متعلق زہری سے منقول ہے کہ معروف کرنخی کی قبر کے پاس دعا میں مستجاب ہوتی ہیں اور یہ نسبت مجموع ہے، کہ جاتا ہے کہ اگر ان کی قبر کے پاس کوئی سوبار سورہ تو حیدر پڑھ کر دعا مانگے تو اس کی حاجت پوری ہوتی ہے۔ (۲)

ابراهیم حربی کا بیان ہے: ”معروف کرنخی کی قبر، جرب (زہر مول) ہے۔“ ذہبی کا بیان ہے: ”اس قبر کے پاس مجبور انسان کی دعا مستجاب ہوتی ہے کیونکہ مقدس قبور کے نیچے دعا میں قبول ہی ہوتی ہیں۔“ (۳)

احمد بن فتح کا بیان ہے: ”بزرگ تابعی ”بشر“ سے سوال کیا گیا: معروف کرنخی کی قبر کی کیا فضیلت ہے؟ جواب دیا: اگر کسی کی کوئی حاجت ہے تو وہ اس مقدس بارگاہ

۵. الرياض النصرة: ج ۲، ص ۳۳۰.

۱. صلح الاخوان: خالدی، ص ۸۳. الغدیر: ج ۵، ص ۱۹۲. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۲۲۳. مفتاح السعادۃ: ج ۲، ص ۱۹۳.

۲. معجم الطبرانی: ج ۱، ص ۱۲۲. الغدیر: ج ۵، ص ۱۹۳. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۲.

۳. سیر اعلام النبلاء: ج ۹، ص ۳۲۳.

میں جا کر دعا کرے، انشاء اللہ مستجاب ہوگی” (۱)؛ ابن سعد سے منقول ہے: ”معروف کرخی کی قبر پر لوگ قحط کے زمانہ میں طلب باران کی دعا کرتے ہیں، روز و شب زیارت کے لئے جاتے ہیں“ (۲)؛ سبط ابن جوزی نے حکایت کی ہے کہ میرے اسما مذہ بغداد میں عون الدین کے کیشیر بنے کا سبب بیان کر رہے تھے: ”میں اتنا شنیدست ہو چکا تھا کہ زندگی دشوار تھی یہاں تک کہ ایک روٹی بھی میسر نہیں تھی، میرے بعض اہل خاندان نے کہا کہ میں معروف کرخی کی قبر پر جاؤں اور دعا کرو! کیونکہ اس قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے“ (۳)؛ میں معروف کرخی کی قبر پر گیا، وہاں نماز پڑھی اور دعا کی، پھر بغداد کی جانب گامزن ہوا، بغداد کے نزدیک ”قطعتاً“ نامی مقام پر پہنچا، وہاں ایک ویران مسجد تھی، میں مسجد میں گیاتا کہ دور کعث نماز پڑھوں، میں نے مسجد میں ایک مریض کو دیکھا جو چٹائی پر لیٹا ہوا تھا، میں اس کے سرہانے گیا اور پوچھا: کیا کسی چیز کی خواہش ہے؟ اس نے کہا: ہاں گلابی (بوجوشہ) کی خواہش ہے، میں بازار گیا، اپنے سر کار و مال گروی رکھا اور اس مریض کے لئے دو گلابی اور ایک سیب

۱. صفوۃ الصفوۃ: ج ۲، ص ۳۲۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۹۳۔

۲. الطبقات الکبریٰ: ج ۱، ص ۲۷۴۔ وفیات الانعیان: ج ۵، ص ۲۳۲۔

۳. اگر معروف کرخی کی قبر بردا عاقول ہوتی ہے تو اس کا سبب ان کی اہل بیت سے والہانہ محبت اور امام رضا کی خدمت ہے، ابو عبد الرحمن سعینی کا بیان ہے: ”معروف کرخی، امام رضا کے خادم تھے، آیت اللہ خوئی رقمطر از بیں: ”شهر زوری نے مناقب الابرار میں تحریر کیا ہے: معروف کرخی امام رضا کے چاہئے والے تھے، اور ان کے والدین عیسائی تھے، انہوں نے بچپن میں ہی معروف کو ایک استادانے ان سے کہا: کہو خدا تین ہیں! لیکن معروف کہتے تھے کہ خدا یک و تھا ہے، استادانے ان کے زوردار طہارخچ مبارا اور وہ وہاں سے فرار کر کے امام رضا کی خدمت میں پہنچ گئے اور امام کے ذریعہ مسلمان ہوئے، پھر اپنے گھر واپس گئے اور دستک دی، باپ نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: معروف، باپ نے پوچھا: تمہارا دین کیا ہے؟ معروف نے جواب دیا: سچا دین، ان کے والد بھی امام رضا کے ذریعہ مسلمان ہو گئے، معروف کہتے تھے بیس کہ میں تھوڑے عرصہ بعد اپنا تمام کاروبار جھوٹ کر امام رضا کی خدمت میں پہنچ گیا اور انھیں کی غدمت میں مشغول ہو گیا۔“ (مسجم رجال الحدیث: ج ۱۸، ص ۲۳۱)۔ ابن خلکان وغیرہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ لیکن نمازی و ذہنی نے اس کی تردید کی ہے۔ (مستدرکات علم الرجال: ج ۷، ص ۲۵۲۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۹، ص ۳۲۳)۔

خریدا، اس نے تھوڑی سی گلابی کھائی اور کہا: مسجد کا دروازہ بند کر دو، میں نے دروازہ بند کر دیا، وہ چٹائی سے ہٹا اور بولا: یہاں ایک گڑھا کھودو، میں نے گڑھا کھودا، اس میں ایک کوزہ نکلا، اس نے کہا کہ اس کوزہ کو اٹھا لو کہ تم اس کے زیادہ حقدار ہو، میں نے پوچھا: کیا تمہارا کوئی وارث نہیں ہے؟ اس نے کہا ہم صرافہ (پیسہ تبدیل کرنے والے) ہیں، میرا ایک بھائی تھا، میں نے اس کو مدت توں سے نہیں دیکھا، سنائے کہ وہ مر گیا ہے؛ ابھی وہ بھی باقیں کر رہا تھا کہ دنیا سے چل بسا، میں نے اس کو غسل دیا، غفن پہننا یا اور غن کر دیا، پھر میں پاٹخت (راجدھانی) کی جانب گیا اور خلیفہ کو نامہ تحریر کیا، خلیفہ نے مجھے اپنے خزانہ کا خراچ پنجی (کشیشیر) بنایا، پھر میں نے دن دو گنی رات چونچی ترقی کی اور وزیر کا عہدہ حاصل کر لیا۔^(۱)

و: امام شافعی کی قبر کے متعلق، جزری کا بیان ہے: ”شافعی کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔^(۲)

و: بکار بکراوی کی قبر کے متعلق مردی ہے کہ ان کی قبر قرافہ میں واقع ہے اور زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، یہاں دعا مستجاب ہوتی ہے۔^(۳)

و: حافظ عامری کی قبر کے متعلق معروف ہے کہ لوگ راتوں میں ان کی قبر پر شب بیداری کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔^(۴)

ز: ابو بکر اصفہانی کی قبر نیشاپور میں واقع ہے، لوگوں کی زیارت گاہ ہے، یہاں طلب باران کی دعا کی جاتی ہے اور دعا مستجاب ہوتی ہے۔^(۵)

٢. طبقات القراء: ج ۲، ص ۹۷۔

۱. وفيات الاعيان: ج ۲، ص ۲۳۹۔

٣. الغدیر: ج ۵، ص ۲۰۲۔

٣. الجوهر المضيئة: ج ۱، ص ۲۶۱۔

٤. وفيات الاعيان: ج ۲، ص ۲۷۲۔

ج: بانوفیسے کی قبر کے متعلق، ابن خلکان کا بیان ہے: ”ان کی قبر مصر میں ہے، ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے اور یہ مجرب نہیں ہے۔“ (۱)
 ط: نصر بن ابراہیم مقدی شافعی کی قبر کے متعلق نووی کا بیان ہے: ”ہمارے اساتذہ نے بتایا کہ ان کی قبر پر روز شنبہ (سپتھ) دعا قبول ہوتی ہے۔“ (۲)
 ی: ابوحسن مصری کی قبر کے متعلق انماطی کا بیان ہے: ”یہ قبر قرافہ میں واقع ہے اور یہاں دعا مستجاب ہوتی ہے۔“ (۳)

ک: قاسم بن فیرہ شاطبی کی قبر کے متعلق مردی ہے کہ ان کی قبر قرافہ میں ہے جو معروف ہے، طبقات القراء نامی کتاب کے مصنف کا بیان ہے: ”میں نے اس قبر کی بارہ زیارت کی ہے، میرے بعض دوستوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس قبر پر جاؤ، میں نے اس قبر پر دعا کی قبولیت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“ (۴)

۱. بانوفیسے، مولانا علی کی ذریت میں سے ہیں، آپ پر ہمہ گاندوں تھیں، مصری لوگ ان کے بہت زیادہ معتقد ہیں، جب امام شافعی کی وفات ہوئی تو ان کا جنازہ نفیسے کے گھر لے جایا گیا اور انہوں نے اس پر نماز پڑھی، نفیسے کی وفات رمضان ۲۰۸ھ میں ہوئی، شوہر نے چاہا کہ ان کا جنازہ مدینہ لے جائیں لیکن مصریوں نے اصرار کیا کہ مصر میں ہی دفن کریں، اسی باعث اس مقام پر دفن کر دیا گیا جس مقام پر آج قبر موجود ہے، یعنی قاهرہ کے نزدیک۔ معروف ہے کہ ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔ (وفیات الانعام: ج ۵، ص ۳۲۲) ذہبی سے منقول ہے: ”نفیسے ایک پاک درمن اور صالح مونمنہ خاتون تھیں، ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے بلکہ انہیاں نے الہی وصالحین کی قبور پر بھی دعا مقبول ہوتی ہے۔“ (سیر اعلام النبلاء: ج ۱۰، ص ۷۴۰).

۲. شذررات الذهب: ج ۵، ص ۳۹.

۳. ایضاً.

۴. طبقات القراء: ج ۲، ص ۳۲.

علماء کا وہابیوں کی مخالفت کرنا

۱۔ معراج کے متعلق، سیوطی نے پیغمبر اکرمؐ کا قول مبارک نقل کیا ہے: ”میں جبریل کے ساتھ سواری پر سوار ہوا اور سفر کا آغاز کیا، جب ریل نے مجھ سے کہا: سواری سے نیچا آ کر نماز ادا کیجئے، میں نے نماز ادا کی، جب ریل نے پوچھا: آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے یہ نماز کہاں پڑھی ہے؟ آپ نے مدینہ میں نماز پڑھی ہے اور آپ بھرت کر کے یہیں تشریف لائیں گے! ہم پھر سوار ہو کر چل تو جبریل نے پھر کہا: سواری سے نیچا اتر نماز ادا کیجئے، میں نے وہاں نماز پڑھی، جب ریل نے پوچھا: آپ کو معلوم ہے یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ طور سینا ہے جہاں خدا نے جناب موسیٰ سے گفتگو کی تھی! ہم پھر سوار ہو کر چل تو پھر جبریل نے کہا: سواری سے اتر کر نماز ادا کیجئے، میں نیچا اتر اور نماز ادا کی، جب ریل نے کہا جس جگہ آپ نے نماز پڑھی ہے اس جگہ کا نام ”بیت الحرم“ ہے جہاں جناب عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔ (۱)

یہاں پر یہ سوال سراٹھاتا ہے کہ جب عیسیٰ کا زچہ خانہ اس قابل ہو گیا کہ وہاں ختم المرسلین نماز ادا کریں! تو پھر فخر عیسیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا زچہ خانہ اور مدن اس قابل کیوں نہیں کہ وہاں نماز ادا کی جائے؟!۔ (۲)

۱۔ کشف الارتیاب: ص ۲۳۷۔

۲۔ جس قبلہ کی جانب پوری امت مسلم رخ کر کے نماز پڑھتی ہے وہ بھی ایک زچہ خانہ ہے، جب ایک مبارک زچہ خانہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی جائے تو کیا رسول اسلام کا مدفن اور ان کی جائے پیدائش اس قابل نہیں کہ وہاں جا کر بحمدہ ربیز ہو جائے؟!۔ (متترجم)۔

۲۔ ابن تیمیہ کا شاگرد ”ابن قیم جوزی“، مطراز ہے: ”جناب ہاجرہ اور اسماعیلؑ کی قربانی اور دونوں کے صبر و تحمل نے ان دونوں کو خدا کی جانب سے ایسی فضیلت ملی کہ ان کے قدم رکھنے کے مقامات مومنین کے لئے مقام عبادت قرار دیے گئے۔“ (۱)

لتنی حیرت کی بات ہے کہ ابن قیم اس بات کا معتقد ہے کہ جناب ہاجرہ اور جناب اسماعیلؑ کی قدم گاہ قیامت تک آنے والے مومنین کے لئے عبادت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے! لیکن جب یہی شخص رسول اسلام کے مدفن اور آپؐ کی قدم گاہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو کہتا ہے کہ جائز نہیں ہے!۔

۳۔ ابن جزری کا بیان ہے: ”صالحین کی قبریں، ایسے مقامات میں سے ہیں جہاں دعا مستجاب ہوتی ہے۔“ (۲)

دعا: قبلہ روایا قبر رسولؐ کی جانب رخ کر کے؟

ابن تیمیہ نے صحابہ کرام کی جانب یہ نسبت دی ہے کہ وہ لوگ قبر رسولؐ کی جانب رخ کر کے دعائیں مانگتے تھے بلکہ جب دعا کا قصد کرتے تھے تو اس وقت رو قبلہ ہو جایا کرتے تھے۔ (۳)

۱. کشف الارتباب: ص ۳۲۸، نقل از زاد المعاد۔ ابن قیم سے میں یہ سوال کروں گا کہ کیا اسماعیلؑ کی ذریت کے روشن چراغ ”رسول اکرم“ نے جناب ہاجرہ اور جناب اسماعیلؑ کے برابر بھی قربانی نہیں دی کہ ان کی قدم گاہ مومنین کے لئے مقام عبادت بن جائے؟!۔ (متجم).

۲. حاشیۃ المواہب اللدنیۃ: ج ۳، ص ۳۰۶۔ کیا صالحین کی قبریں، قبر رسولؐ سے زیادہ عظمت و اہمیت کی حامل ہیں کہ صالحین کی قبروں پر تعدد مستجاب ہو جائے لیکن قبر رسولؐ پر دعا کرنا حرام ہو؟!۔ (متجم).

۳. رسالۃ زیارة القبور: ص ۱۵۹۔

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب

اس بات کے کئی جواب ہو سکتے ہیں جن میں سے چند جواب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابن تیمیہ نے صحابہ کی جانب نسبت تودے دی ہے لیکن کسی صحابی کا نام نہیں لیا کہ فلاں صحابی نے فلاں موقع پر دعا کے وقت اپنا رخ قبر رسول سے قبلہ کی جانب کر لیا تھا، کم سے کم ایک صحابی کا نام تو ذکر کر دیتا! جب کہ اس نے تمام صحابہ کی جانب نسبت دی ہے!

دوسری جانب سے، ابن عمر جو کہ خود صحابی ہیں ان کا بیان ابن تیمیہ کے خلاف ہے، وہ کہتے ہیں: ”دعا کے وقت سنت ہے کہ قبر رسول کی جانب رخ کریں اور پشت قبلہ ہو کر کھڑے ہوں“۔ (۱)

۲۔ دعا کے وقت قبر رسول کی جانب رخ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَإِنَّمَا تَوْلُوا فَشَّمْ وَجْهُ اللَّهِ﴾ یعنی تم جس جانب رخ کرو گے اسی جانب خدا موجود ہو گا۔ (۲)

۳۔ تمام علماء نے ابن تیمیہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے، جن میں سے چند نمونوں کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

الف: منصور نے امام مالک سے سوال کیا: دعا کے وقت، قبر رسول کی جانب رخ کریں یا قبلہ کی جانب؟ امام مالک نے جواب دیا: آنحضرت سے روگردانی کیوں کرتے ہو! جب کہ آنحضرت تمہارے اور تمہارے بابا (آدم) کے لئے قیامت

۱. کشف الارتیاب: ص ۲۲۷۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۳۲۔

۲. سورہ بقرہ: ۱۱۵۔

وہابیت کا تقیدی جائزہ

میں وسیلہ قرار پائیں گے، ان کی جانب رخ کر کے دعا کرو، ان سے شفاعت طلب کرو کہ خدا ان کی شفاعت کو قبول فرماتا ہے۔ (۱)

اس سوال سے آشکار ہوتا ہے کہ قبر رسول پر دعاء مشہور و معروف امر ہے، جائز ہے اور اس کو ترجیح بھی دی گئی ہے؛ منصور کو صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ قبر رسول کی جانب رخ کر کے دعا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ (۲)

ب: خفاجی کا بیان ہے: ”شفاعی اور تمام علماء کا نظریہ ہے کہ دعا کرتے وقت قبر رسول کی جانب رخ کریں اور قبلہ کی جانب پشت کریں، ابوحنیفہ سے بھی یہی مตقول ہے۔“ (۳)

ج: ابن ہمام حنفی کا بیان ہے: ”جو ابوحنیفہ سے مतقول ہے کہ قبر آنحضرت کی جانب رخ کر کے دعا مانگی جائے، قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ابن عمر کا بیان ہے: قبلہ کی طرف سے قبر کی طرف آئیں یعنی قبلہ کی جانب پشت اور قبر رسول کی جانب رخ کر کے دعا کریں، ابوحنیفہ کے اعتبار سے یہ نظریہ صحیح ہے اور کرمانی نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ کا اس کے متعلق دوسرا نظریہ ہے، اگر ان دونوں باتوں کو ساتھ رکھا جائے تو کوئی نتیجہ نہیں نکل پائے گا کیونکہ پیغمبر اکرم زندہ ہیں اور اپنے زائر کو دیکھ رہے ہیں اور جو بھی ان کی زندگی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا وہ آپ کی جانب رخ کر کے ہی کھڑا ہوتا تھا نہ کہ پشت کر کے!“ (۴)

۱. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۷۶۔ المواهب اللدنية: ج ۳، ص ۹۰۹۔

۲. الغدیر: ج ۵، ص ۱۳۵۔ کشف الارتیاب: ص ۲۲۷۔ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: ج ۲، ص ۹۲۔

۳. شرح الشفاء: ج ۳، ص ۵۱۷۔

۴. ایضاً۔

د: ابراہیم حربی نے کتاب مناسک میں نقل کیا ہے: ”قبرسوں پر دعا کرتے وقت، قبررسوں کی جانب رخ کیا جائے اور قبلہ کی جانب پشت کی جائے“۔^(۱)
ہ: موسیٰ اصفہانی نے امام مالک سے نقل کیا ہے: ”جو بھی آنحضرت کی زیارت کے لئے جائے اسے پشت بقبلہ اور قبر آنحضرت کی جانب رخ کر کے کھڑا ہونا چاہئے پھر آنحضرت پر درود بھیجے اور دعا کرئے“۔

و: سمہودی کا بیان ہے: ”فرقة شافعی کا نظریہ ہے کہ آنحضرت کی قبر پر دعا کرتے وقت، قبلہ کی طرف پشت کی جائے اور قبر کی جانب رخ کیا جائے، ابن خبیل کا بھی یہی نظریہ ہے“۔^(۲)

ز: سختیانی نے ابوحنیفہ سے نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ایوب سختیانی قبررسوں سے نزدیک ہوئے، قبر آنحضرت کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوئے اور آہ و بکا میں محو ہو گئے۔^(۳)

ح: ابن جماعت نے اپنا نتویٰ کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے: ”زارِ کو قبررسوں سے دور کھڑا ہونا چاہئے تاکہ آنحضرت کے رو برو قرار پائے، پھر قبررسوں کی جانب رخ کرے اور پشت بقبلہ ہو کر دعا کرے اور حضور کی خدمت میں سلام عرض کرے، البتہ کرمانی نے سب کی مخالفت میں لب ہلانے ہیں اور کہا ہے کہ آنحضرت کی قبر کی طرف پشت کرے اور رو بقبلہ ہو کر آنحضرت کی خدمت میں سلام عرض کرئے“۔^(۴)

۱. کشف الارتیاب: ص ۳۲۶۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۷۸۔

۲. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۷۸۔

۳. ایضاً۔

۴. کشف الارتیاب: ص ۳۲۶۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۷۸۔

وہابیت کا تقدیم جائزہ

ط: ابراہیم بن سعد کا بیان ہے: ”میں نے ابن منذر کو مسجد میں وارد ہونے والے دروازہ میں نماز پڑھتے دیکھا، میں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ کر واپس ہوئے اور حوضے پر پیچھے ہٹے، پھر قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور دعا کی، پھر اپنے رخ کو قبلہ سے موڑا اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھایا جیسے غلاف سے شمشیر نکلتی ہے اور دعا کرنے لگے، گویا کسی سے خدا حافظی کر رہے ہیں، مسجد سے آتے وقت تک یہی کام انجام دیا۔“ (۱)

۲۔ قبرِ رسول اور آنحضرت کے مدفن پر دعا کرنے اور اس کو متبرک شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ مقام ابراہیم (جو کہ ایک پتھر ہے) پر نماز پڑھتے ہیں اس پتھر کی عظمت صرف اس لئے ہے کہ جناب ابراہیم اس پتھر پر کھڑے ہوئے تھے، اس کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاتْخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلّى﴾ یعنی مقام ابراہیم کو اپنی عبادات گاہ بناؤ۔ (۲)

البتہ ابن تیمیہ کا نظریہ ہے: ”انبیاء الہی وصالحین کی قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے سے بہتر خود اپنے گھروں میں نماز پڑھنا ہے،“ (۳)

ابن تیمیہ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ اپنا دعویٰ ثابت کر سکے، یہاں تک کہ کسی ایک پیشوائے بھی ایسا نہیں کہا ہے، یہ تو بہت دور کی بات ہے کہ اس دعوے کو تمام علماء کی جانب منسوب کیا جائے!

۱. سیر اعلام النبلاء: ج ۵، ص ۳۵۸.

۲. سورہ بقرہ: ج ۲۵۰، ص ۱۲۵.

۳. وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۱۳۷۸.

مقبروں کو مسجد قرار دینا

مردی ہے کہ خداوند عالم نے یہودیوں پر لعنت کی، کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو اپنے لئے مسجد قرار دے دیا تھا، پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ”خدا یا! میری قبر کو تقرار نہ دیں کہ اس کی عبادت کی جائے! کیونکہ جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار دیا، ان پر خدا غضبناک ہے۔“ (۱)

مذکورہ بالروایت کا تقدیمی جائزہ

۱۔ اس روایت کی سند میں خدشہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث کو نسائی نے نقل کیا ہے اور اس کے سلسلہ سند میں عبدالوارث کا نام بھی ہے، اس کو معتزلی کہا جاتا ہے اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے تھے، حماد نے بھی اس سے منقول روایات کی نہیں کی ہے۔ (۲)

اسی طرح اس روایت کی سند میں ابو صالح بھی ہے، جو محبول المذہب ہے، یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ معتبر ہے یا ضعیف! شاید یہ ام ہانی کا غلام تھا کہ اس صورت میں ضعیف یا کذاب ثابت ہوتا ہے۔ (۳)

اس روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے لیکن اس سلسلہ سند میں بھی عبد اللہ بن عثمان (۴) کا نام ہے، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے یا روایت میں خطأ کرتا تھا، نیز کہا گیا ہے کہ اس کی روایات مردود ہیں اور معروف نہیں ہیں۔

۱. مسنند احمد بن حنبل: ج ۲، ص ۲۲۶۔ الموطأ: ج ۱، ص ۲۷۔ صحيح بخاری: ص ۲۸۰۔

صحیح مسلم: ص ۱۹۔ المساجد: ج ۱، ص ۲۱۸۔

۲. میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۲۷۷۔ ۳. ایضاً: ج ۵۳۸، ۲۔

۴. ایضاً: ج ۲، ص ۲۵۹۔ الكامل فی الضعفاء: ج ۲، ص ۱۲۱۔

ابن پہمان نے اس روایت کو مدینی سے نقل کیا ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے، یہ روایت الموطأ میں بھی آئی ہے، لیکن جیسا کہ ابن عبد البر نے تو صحیح دی ہے کہ یہ روایت مرسلا ہے، کیونکہ اس روایت کی سند میں عطار بن یسیار کا نام بھی آتا ہے جس نے پیغمبر اکرم کو نہیں دیکھا ہے۔ (۱)

دوسری جانب سے یہ روایت، ابن تیمیہ اور وہابیوں کے دعوے کو بھی ثابت نہیں کرتی، کیونکہ یہ لوگ یہ استفادہ کرتے ہیں کہ قبور و مزارات کے پاس نماز پڑھنا اور مسجد بنانا جائز نہیں ہے، جب کہ روایت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ روایت جب شہ کے چرخ سے مربوط ہے۔

اس بحث کا موضوع یہ تھا کہ اگر جب شہ کا کوئی نیک شخص مرتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے تھے اور اس کی دیواروں پر تصویریں بنادیا کرتے تھے، لہذا ان پر لعنت کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے پیغمبروں کی قبروں پر مسجد بناتے تھے اور اس کی دیواروں پر نی ہوئی تصویریں کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ بتول کے سامنے سر جھکا کیا جاتا تھا اور ان کی عبادت کی جاتی تھی۔

بہر حال روایت کا ظاہر بتا رہا ہے کہ اس طرح قبروں پر مساجد بنانا درست نہیں ہے، لیکن اگر کسی قبر کے اوپر مسجد بنائیں اور اس میں قبلہ رو ہو کر خدا کی عبادت کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ دور حاضر میں بھی مسجد نبوی یا مسجد اموی دمشق میں نماز پڑھی جاتی ہے کہ جن میں پیغمبروں کی قبریں ہیں۔

۱. الموطأ: ج ۱، ص ۲۷۲۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۳۲۸۔

اس روایت کے مفہوم کے سلسلہ میں علمائے اہل سنت کے نظریات ا۔ قرطبی کا بیان ہے: ”مسجد میں جو گزشتہ زمانوں میں تصویریں بنائی جاتی تھیں ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان کے ذریعہ ان بزرگ ہستیوں کو یاد رکھا جاسکے اور ان کی قبروں کے پاس خدا کی عبادت کی جائے، لیکن بعد میں آنے والی نسلیں یہ سمجھ پائیں کہ ان کے بزرگوں نے یہ تصویریں کس لئے بنائی تھیں! انھیں شیطان نے گمراہ کیا اور وہ سمجھے کہ ان کے بزرگ ان تصویروں کی پوجا کیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اکرم نے اپنی امت کو اس عمل سے ڈرایا“۔ (۱)

۲۔ نووی کا بیان ہے: ”صاحب قبر کی جا گیر میں اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے، موقوفہ قبرستان میں عمارت بنانا حرام ہے، شافعی فرقہ کہتا ہے کہ قبروں پر رنگ کرنا یا ان کو پختہ بنانا مکروہ ہے“۔ (۲)

۳۔ قسطلانی کا بیان ہے: ”اس روایت کا مطلب ان لوگوں کی نذمت ہے کہ جو قبر کو مسجد قرار دیتے ہیں اور اس عمل پر سرزنش اس عمل کی حرمت کے باعث ہے، البتہ علمائے شافعیہ نے اس عمل کو مکروہ ثمار کیا ہے“۔ (۳)

۱۔ ارشاد الساری: ج ۳، ص ۲۹۔ صحیح مسلم: ج ۱، ص ۱۹۔

۲۔ شرح صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۲۔ ابن رفع کا بیان ہے: ”انمیاء اللہ کی قبور کو پختہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، قبر پیغمبرؐ جانب نماز پڑھنا حرام ہے اور کسی زندہ شخص کے سامنے موجود ہوتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ امر نماز سے توجہ کے ٹھنڈے کا باعث ہے، دیگر انمیاء اللہ کی قبور کی تحریک قبر سوگ کے حکم میں ہی ہیں“۔ (ارشاد الساری: ج ۲، ص ۲۷)۔

۳۔ ارشاد الساری: ج ۹، ص ۲۷۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

۳۔ بندبھی کا بیان ہے: ”اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ قبر کے سامنے مسجد بنائیں“ (۱)؛ مکروہ ہے کہ قبر کے کنارے مسجد بنائی جائے اور قبر کے سامنے نماز پڑھی جائے! لیکن اگر کسی مقبرہ کے اندر مسجد بنائیں تاکہ اس میں عبادت الہی انجام دی جائے تو میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مقبرے اور مساجد موقوفہ مقامات ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۲)

۴۔ پیشوی کا بیان ہے: ”چونکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو قبلہ قرار دے دیا تھا اور ان کی جانب سجدہ کرتے تھے، گویا بت پرستی ہو رہی تھی لہذا پیغمبر نے ان پر لعنت کی اور اپنی امت کو وڑایا، اگر کوئی انسان کسی مقبرہ کے کنارہ اس غرض سے مسجد بنائے کہ اس میں عبادت الہی انجام پائے نہ کہ اس ارادہ سے کہ اس کو بت سمجھ کر پوجا کی جائے اور نماز میں اس کی جانب رخ کیا جائے تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے اور پیغمبرا کرم کی نفرین ایسے شخص کوشال نہیں ہوگی“ (۳)

۵۔ سندری کا بیان ہے: ”اس تحریر“ پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار نہ دو“ کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کو اپنا قبلہ قرار نہ دو اور ان کی جانب رخ کر کے نماز نہ پڑھو یا ان کے اوپر مسجد نہ بناؤ، شاید یہ کام اس لئے مکروہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں قبر کی پرستش وجود میں آتی ہے بالخصوص انبیاء الہی اور اولیاء الہی کی قبریں“۔ (۴)

۱. قبر، نمازی کے سامنے قرار پائے۔ (مترجم)۔

۲. لیجئے بندبھی نے مقبرہ کو مسجد کا درجہ دے دیا! اب اتنی تیمیہ کیا کرے گا؟۔ (مترجم)۔

۳. ارشاد الساری: ج ۳، ص ۲۷۹۔

۴. سنن نسائی: ج ۲، ص ۹۶۔

۔ نبوی کا دوسری جگہ بیان ہے: ”علماء نے فرمایا ہے: پیغمبر اکرمؐ نے اپنی قبر اور دیگر قبور کو مسجد قرار دینے کی اس لئے نبی فرمائی کہ قبور کی تعظیم میں مبالغہ نہ ہو جائے جو فتنہ کا باعث قرار پائے! اور شاید گز شستہ اموات کی مانند اس عمل کا نتیجہ کفر کی دلدل میں دھنسنا نہ ہو۔“ جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو صحابہ فتابیین نے یہ ضرورت محسوس کی کہ مسجد نبویؐ کو سمعت دی جائے لہذا پیغمبر اکرمؐ کی ازواج کے کمرے اور آنحضرت کا مدفن بھی اسی احاطہ میں آگیا، مدفن کے ارد گرد اونچی چهار دیواری بنا دی گئی تا کہ آپؐ کی قبر مسجد میں ظاہرنہ ہو اور لوگ اس کی جانب رخ کر کے نمازنہ پڑھیں، مردی ہے کہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ یہیں قبر رسولؐ کو مسجد قرار نہ دیا جائے تو آنحضرت کی قبراطہر کو آشکار کر دیتے لیکن یہی خوف تھا کہ آپؐ کی قبر کو مسجد بنالیا جائے گا۔ (۱)

قبرستان میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کے فتاویٰ

۱۔ امام مالک کا فتویٰ: ابن قاسم سے سوال کیا گیا: کیا ابن مالک کے نزدیک پوشیدہ قبر کے سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مالک کی نظر میں قبرستان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ خود بھی قبرستان میں مقبروں کے درمیان نماز پڑھتے تھے؛ ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ بعض صحابہ کرام، قبرستان میں نماز پڑھتے تھے۔ (۲)

۲۔ عبدالغنى نابلسى کا فتویٰ: اگر کوئی شخص کسی صالح انسان کی قبر کے پاس مسجد تعمیر کرے اور اس کا مقصداً اس قبر کی تعظیم یا سجدہ کرنا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے

۱۔ شرح النبوی: ج ۵، ص ۱۲۰۔

۲۔ المدونة الكبرى: ج ۱، ص ۹۰۔

وہابیت کا تقیدی جائزہ

جیسا کہ مسجد الحرام میں مرقد امام علی کے پاس نماز پڑھنا دیگر مقامات سے بہتر ہے۔ (۱) اس طرح دوسرے مقام پر کہتے ہیں: ”اگر کسی قبر کے پاس مسجد بنادی جائے یا کوئی قبر مسجد کے احاطہ میں آجائے، یا وہ قبر کسی ولی خدا یا کسی عالم کی ہو، متبرک ہواور وہاں دعا مستحب ہوتی ہو تو ان امور میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ انسان کے عمل کا دار و مدار خود اس کی نیت پر ہوتا ہے“۔ (۲)

۳۔ کوثری سے منقول ہے کہ ابی مالکی نے فرمایا: ”کسی صالح شخص کی قبر کے نزدیک مسجد بنانا اور اس کے مقبرہ میں یہ سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا کہ وہ متبرک ہے یا وہاں دعا قبول ہوگی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ قبر امام علی بھی مسجد الحرام میں کعبہ کے پاس واقع ہے اور وہاں نماز پڑھنا دیگر مقامات سے بہتر ہے۔“ (۳)

۴۔ بغوی کا بیان ہے: ”بعض علماء کا نظریہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جگہ صاف اور پاک و پاکیزہ ہو۔ روایت میں آیا ہے کہ عمر نے انس بن مالک کو ایک قبر کے کنارہ نماز پڑھتے دیکھا تو کہا: یہ قبر ہے، یہ قبر ہے، لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی نمازو دوبارہ پڑھیں۔ اس طرح مرقوم ہے کہ حسن بصیری بھی قبرستان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ نیز مالک کا بیان ہے: قبرستان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

وہ روایت جو قبرستان اور حمام میں نماز پڑھنے کو منع کرتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حمام میں عام طور سے گندگی ہوتی ہے اور قبرستان کی خاک بھی مردوں کے ذرات

۱. الحدیقة الندية: ج ۲، ص ۲۳۱.

۲. ايضاً.

۳. المقالات الکوثری: ص ۲۲۶۔ شرح صحیح مسلم: ج ۲، ص ۲۳۲.

سے آمیختہ ہوتی ہے، لہذا منع کرنے کی دلیل جگہ کا پاک نہ ہونا ہے۔ لیکن اگر وہاں پاک مقام یا عمارت بنادی جائے تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱) ان فتووں کے ہوتے ہوئے بھی کیا وہاں پر میں اتنی جرأت ہے کہ وہ قبرستان یا مقبرہ میں نماز پڑھنے والے پر کفر و شرک کا فتوی لگائیں! اور یہ دعوی کریں کہ یہ شخص صاحب قبر کی عبادت کر رہا ہے! ہم وہاں پر میں کو جواب دیں گے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ انس بن مالک اور حسن بصری جیسے نامور صحابہ بھی قبور کے درمیان نماز پڑھتے تھے!۔



١. شرح السنۃ: ج ۲، ص ۳۹۸

jabir.abbas@yahoo.com



مقبروں کی مرمت اور گنبد بنانا

وہاں پر کاظمیہ

وہاںی فرقہ، قبروں کی مرمت، تعمیر کرنا اور گنبد بنانا ممنوع قرار دیتا ہے اور ان کاموں کو شرک و کفر شمار کرتا ہے، وہاں پر کاظمیہ کے مطابق: قبریں اور ان کے گنبد و پریان ہو جانے چاہئیں، ان کے نظریہ کے مطابق چند فتاویٰ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صنعتی کافتوںی: مزار یا بارگاہ، بست کی مانند ہے، جو کام عہد جاہلیت میں بست پرست انجام دیتے تھے وہی کام قبر پرست افراد انجام دے رہے ہیں، انھوں نے اس کا نام بُت رکھا تھا اور ان لوگوں نے ولی خدا کا مزار نام رکھا ہے لیکن ان کا کام بھی ویسا ہی ہے اور نام کا بدلتا نہیں بست پرستی کی دلدل سے باہر نہیں نکال سکتا۔ (۱)

۱۔ کشف الاریاب: ص ۲۸۶۔ تطہیر الاعقاد سے مأخوذه.

۲۔ ابن تیمیہ کے شاگرد ”ابن قیم جوزی“ کافتوئی: مقبرے اور بارگاہیں بھی بت پرستی کے عنوان میں داخل ہیں لہذا ان کا منہدم کرنا واجب ہے، اگر اس کام پر قدرت ہو تو ان مزارات کو ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ وہ لات و عزیٰ کی مانند ہیں اور یہ سب سے بڑا شرک ہے۔ (۱)

۳۔ وہابیوں نے شیخ الرکب مغربی کے جواب میں صراحتاً تحریر کیا ہے: ”انبیاء الہی اور دیگر قبروں پر اس مقصد سے گنبد بنانا کہ ان کی تعظیم کی جائے، ان واقعات میں سے ہے جن کی پیغمبر اکرم نے خبر دی تھی، آنحضرت نے فرمایا: جب تک میری امت کا ایک گروہ مشرک نہیں ہو جائے گا اور بت پرستی میں ملوث نہیں ہو جائے گا تب تک قیامت نہیں آئے گی“۔ (۲)

۴۔ وہابیوں کا مشہور و معروف قاضی ”عبداللہ بن سلیمان بن بلسید“ نے امام القری نامی روزنامہ (اخبار) میں ۱۳۲۵ھ میں بیان دیا تھا: ”پانچویں صدی تک قبروں پر گنبد نہیں بنایا جاتا تھا، یہ بدعت پانچویں صدی کے بعد رائج ہوئی“۔ (۳)

۵۔ علمائے مدینہ سے منسوب جواب میں مرقوم ہے: ”علماء کا اجماع ہے کہ قبر پر عمارت بنانا منوع ہے اور اس کی دلیل صحیح روایات ہیں؛ بہت سے علماء نے علی ابن ابی طالبؑ کی روایت سے استناد کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ قبروں کا منہدم کرنا واجب ہے، اس روایت میں علیؑ نے ابو ہیان سے فرمایا: میں تمہارے سپردا ایسا مرکرہا ہوں جو پیغمبر اکرمؐ نے میرے سپرد کیا تھا، کسی بھی تصویر کو نابود کئے بغیر مت چھوڑنا اور قبروں کے بلند حصہ کو توڑ کر ہموار کر دینا“۔

”هم مذکورہ بالا روایت کے بارے میں آئندہ بحث کریں گے۔“ (انشاء اللہ)

۱. زاد المعاد: ص ۲۶۱۔ ۲. کشف الارتیاب: ص ۲۸۷۔

۳. کشف الارتیاب: ص ۲۸۷۔

وہاپیوں کے فتاویٰ کا تحقیقی و تقدیمی جائزہ

۱۔ وہاپیوں نے جو اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ ان کے دعوے کے برعکس، علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ وہاپیت کے وجود سے پہلے تمام علماء، فقهاء، دانشمندان یہاں تک کہ عوام کی بھی یہی سیرت تھی (۱)؛ مسلمانوں کی سیرت خود ایک عملی اجماع ہے جو ثابت کرتا ہے کہ شریعت کی جانب سے اجازت تھی۔

صناعی کا سوال: خود صناعی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے وہ اپنی کتاب ”تلہیم الاعتقاد“ میں ایک سوال کر کے خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہے: ”یہ موضوع تمام اسلامی ممالک میں رائج ہے، کوئی بھی اسلامی ملک ایسا نہیں جس میں مزارات نہ ہوں! یہاں تک کہ مسلمانوں کی بہت سی مساجد میں قبر اور مزار موجود ہیں۔ کیا عقل اس بات کو قبول کرتی ہے کہ عوام ایسا برآ کام انجام دیں لیکن علماء و فقهاء خاموش رہیں؟“۔

صناعی کا جواب: ”اگر انصاف پسندگاہ سے دیکھا جائے تو یہ کام بہت پرانا ہے اور نسل درسل چلا آرہا ہے، اس کام میں عوام آگے آگے رہتی ہے اور کسی کی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جو لوگ اپنے علم و فضل کے دعویدار ہیں، جو منصب قضادت پر فائز ہیں، جو تدریس کرتے ہیں اور جو مفتی ہیں غرض تمام صاحبان مناصب عوام کی پیروی کرتے ہوئے قبروں کی تعظیم کرتے ہیں، لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ ایک ناپسندیدہ کام کے مقابل علماء کا خاموش رہنا اس کے جواز پر دلیل نہیں ہے!“۔

۱۔ یعنی تمام لوگ جائزہ شمار کرتے تھے۔ (مترجم)۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

یہاں پہنچ کر یہ بیان کرنا لازم ہے کہ: ”صنعتی نے اس مسئلہ میں مکمل طریقہ سے مسلمانوں کی سیرت کو تسلیم کیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ تمام لوگ، یہاں تک کہ عرفاء، علماء، فقہاء اور دیگر صاحبان مناصب اس عمل کے معتقد ہیں۔“

اب ہم صنعتی سے سوال کرتے ہیں: ”کیا مسلمانوں کی سیرت سے بھی قوی کوئی اور دلیل ہے! جس کی بنابر ان امور کو حرام قرار دے دیا؟ کیا اس سے بھی قوی کوئی دلیل ہے کہ ایک عمل کو نسل درسل انجام دیا جا رہا ہے؟ جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے اپنی گفتگو میں اقرار کیا ہے؟“

انشاء اللہ آئندہ بحثوں میں دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی یہ عملی سیرت تاریخی کتابوں میں درج ہے۔

۲۔ کسی ایک وہابی کی نظر میں ایک روایت کا صحیح اور صریح ہونا دلیل نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کی نظر وہ میں بھی صحیح اور صریح ہوا لہذا ایک وہابی یا استناد کیسے کر سکتا ہے کہ اس روایت پر اجماع ہے؟

۳۔ خود اس وہابی (ابن تیمیہ) کی باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک جگہ کہتا ہے کہ بہت سے علماء نے قبروں کے انہدام کا حکم دیا ہے اور دوسری جگہ کہتا ہے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ قبر بنانا منوع ہے!۔

اگر تمام علماء کا اجماع ہے تو پھر تمام علماء نے قبر کے انہدام کا فتویٰ کیوں نہیں دیا؟ بلکہ وہابیوں کے دعوے کے مطابق بعض علماء نے انہدام کا فتویٰ دیا ہے!

حضرت علیؑ سے مردی روایت پر اعراضات

اس روایت کو تین لوگوں نے ”کیع“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جن کے اسماء یہ ہیں: ”یحییٰ بن یحییٰ۔ ابو بکر بن ابی شیبہ۔ زہیر بن حرب“ خود کیع نے اس روایت کو ”سفیان“

سے، اس نے ”حبیب ابن ثابت“ سے انہوں نے ”ابوائل“ سے انہوں نے ”ابو ہیاج اسدی“ سے نقل کیا ہے، ابو ہیاج کا بیان ہے: ”میں تمہیں اس امر پر مأمور کر رہا ہوں جس امر پر مجھے پیغمبر اکرمؐ نے مأمور کیا تھا کہ کسی تصویر کو ناابود کئے بغیر نہ چھوڑنا اور جو قبر کا بلند حصہ نظر آئے اس کو ہموار کر دینا۔“ (۱)

راوی شناسان کی نظر میں اس روایت کی سند میں خدشہ پایا جاتا ہے، بعض راویوں کے متعلق ان کے نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کعیج ابن جراح روایتی کے بارے میں کہا گیا ہے:

الف: عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے ”میرے والد نے مجھ سے فرمایا: وکیع کی بہ نسبت، ابن مہدی روایت میں زیادہ تبدیلی کرتا ہے، لیکن ابن مہدی کی بہ نسبت کعیج کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں؛ اسی طرح دوسرا جگہ کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے کہا کہ کعیج نے پانچ سورا ویات میں غلطی کی ہے۔“ (۲)

ب: ابن مدینی کا بیان ہے: ”وکیع، روایت میں الفاظ کا تلفظ صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتا تھا اور تمام لوگ اس کے تلفظ سے تجب کرتے تھے!“ (۳)

ج: محمد بن نصر مردوzi کا بیان ہے: ”وکیع، حافظ حدیث تھا یہی سبب ہے کہ وہ الفاظ میں بہت زیادہ ہیرا پھیری کرتا تھا (۴)؛ گویا صرف روایت کے معنی نقل کر دیتا تھا، وہ عربی زبان بھی نہیں تھا،“ (۵)

۱. صحيح مسلم: ج ۳، ص ۲۱۔ سنن ترمذی: ج ۲، ص ۲۵۶۔

۲. تہذیب الکمال: ج ۳، ص ۱۷۴۔ ۳. میزان الاعتدال: ج ۳، ص ۳۳۶۔

۴. نعیم بن حماد کے مطابق: وکیع شراب پیتا تھا۔ (تاریخ بغداد: ج ۱۳، ص ۲۷۶)۔

۵. تہذیب الکمال: ج ۲، ص ۱۲۹۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

۲۔ اس حدیث کا دوسرا راوی ”سفیان“ ہے؛ اس کے بارے میں کچھ اس طرح کے نظریات ہیں:

الف: ذہبی کا بیان ہے: ”سفیان کی چالاکیوں میں سے ایک چالاکی یہ تھی کہ وہ اپنی دھوکہ بازی کے ذریعہ ضعیف راوی کو قابل اعتماد راوی بتاتا تھا“۔ (۱)

ب: ابن مبارک کا بیان ہے: ”سفیان روایت نقل کر رہا تھا کہ میں اس کے پاس پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ وہ نقل روایت میں دھوکہ دھڑی سے کام لے رہا ہے، لیکن جب اس نے مجھے دیکھا تو شرمندگی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا: میں تم سے روایت نقل کروں گا“۔ (۲)

ج: ابو بکر کا بیان ہے: ”میں نے یحییٰ سے سنا: سفیان ثوری نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی دھوکہ بازی سے ایک ضعیف راوی کو مؤثث ثابت کر سکے لیکن میرے سامنے اس کا چراغ نہ جل سکا“۔ (۳)

د: یحییٰ بن معین کا بیان ہے: ”ابو سحاق سے منقول روایات کے سلسلہ میں کوئی شخص سفیان سے زیادہ آگاہ نہیں لیکن سفیان روایات میں دھوکہ دھڑی سے کام لیتا تھا“۔ (۴)

۳۔ اس روایت کا ایک راوی ”حبیب بن ابی ثابت“ ہے، اس کے متعلق مندرجہ ذیل نظریات ہیں:

۱. میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۱۲۹.

۲. تهذیب التهذیب: ج ۱، ص ۲۱۸.

۳. ایضاً: ج ۳، ص ۱۷۹.

۴. الجرح والتعديل: ج ۲، ص ۲۲۵.

ساتویں فصل: مقربوں کی مرمت اور لگند

(۱۸۹)

الف: ابن حبان کا نظریہ ہے: ”ابن ابی ثابت، روایات میں چال بازی سے کام لیتا تھا“۔ (۱)

ب: عقلي کا بیان ہے: ”ابن ابی ثابت، عطا سے روایات نقل کرتا تھا اور عطا کی روایات قابل توجہ نہیں ہیں“۔ (۲)

ج: دوسری جگہ عقلي کا بیان ہے: ”ابن ابی ثابت پر ابن عون نے اعتراض کیا ہے اور اس کو معیوب شمار کرتا ہے“۔ (۳)

د: قطان کا بیان ہے: ”اس نے روایات کے علاوہ دیگر مطالب بھی عطا سے ہی نقل کئے ہیں جو قابل توجہ نہیں ہیں“۔

ه: ابن خزیم کا بیان ہے: ”ابن ابی ثابت، نقل روایات میں چال بازی“۔ (۴)

۲۔ اس روایت کا ایک راوی ”ابو وکل“ ہے، یہ شمن علی تھا اور اس کے دل میں علی کا کینہ تھا لہذا یہ قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ رسول خدا نے علی سے فرمایا: ”اے علی! تم سے دوستی صرف مومن کرے گا اور تمہارا دشمن صرف منافق ہو گا“۔ (۵)

۱. تهذیب التهذیب: ج ۲، ص ۷۶۔ تقریب التهذیب: ج ۱، ص ۳۱۶۔

۲. ايضاً.

۳. میزان الاعتدال: ج ۱، ص ۳۵۱۔

۴. تهذیب التهذیب: ج ۲، ص ۷۶۔ شرح نهج البلاغہ: ج ۲، ص ۹۹۔ وہ شمنی تھا اور علی کی برائی کیا کرتا تھا۔

۵. تهذیب التهذیب: ج ۲، ص ۷۳۔ شرح نهج البلاغہ: ج ۲، ص ۹۹۔ یہ شمنی تھا اور علی کی المذهب تھا۔ (تاریخ بغداد: ج ۹، ص ۲۷)۔

علیؑ کی جانب منسوب روایت کا تحقیقی و تقدیمی جائزہ

اس فتیم کی روایت کو ”شاذ“ کہا جاتا ہے، یعنی اس روایت کو صرف ایک شخص نے نقل کیا ہے جو ابو ہیاج کے نام سے معروف ہے، سیوطی کا بیان ہے: ”حدیث کی کتابوں میں فقط یہی ایک ایسی روایت ہے جو ابو ہیاج سے منقول ہے۔“ (۱)

دوسری جانب سے یہ روایت وہابیوں کا دعویٰ ثابت نہیں کرتی کیونکہ اس روایت میں قبر کے بلند حصہ کو ہموار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے نہ کہ زمین بوس کرنے کا حکم، کہ زمین سے بلند نہ ہوا۔

بہر حال اس روایت کا تین طریقہ سے مطلب حاصل کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قبروں کو نابود کر دینا۔

۲۔ قبروں کی عمارت کو زمین بوس کر دینا۔

۳۔ قبروں کی عمارت کو ہموار کر دینا۔

پہلے مطلب کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ احتمال سیرت صحابہ کے خلاف ہے۔ دوسرا احتمال بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ قبر کو زمین سے ایک بالشت بلند رکھنا یقینی سنت ہے۔

تیسرا احتمال زیادہ قابل قبول ہے کیونکہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ قبر کو اونٹ کے کوہاں کی طرح بلند مرت کرو بلکہ ہموار کرو، نووی و قسطلانی جیسے علمائے اہل سنت نے بھی اسی نظریہ کو قبول کیا ہے۔

۱. یعنی اس روایت کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں دیکھی گئی جس میں ابو ہیاج کا وجود ہو۔ (مترجم)

ساتویں فصل: مقبروں کی مرمت اور گنبد

﴿۱۹﴾

نووی کا بیان ہے: ”سنّت ہے کہ قبر زمین سے زیادہ بلند نہ ہو بلکہ ایک باشت کے اندازہ سے بلند ہو اور قبر میں نشیب و فراز بھی نہ ہوں یعنی قبر کا اوپری حصہ ہموار ہونا چاہئے“۔ (۱)

قطلانی کا بیان ہے: ”سنّت ہے کہ قبر کا اوپری حصہ ہموار کیا جائے اور صرف یہ سوچتے ہوئے سنّت سے روگردانی نہیں کی جاسکتی کہ یہ رفضیوں (شیعوں) کا عمل ہے۔“

قطلانی نے ابو ہیاج کی روایت کو قبر ہموار کرنے والی روایت کے منافی شمار نہیں کیا ہے اور آگے بیان کیا ہے: ”یہ حدیث یہ نہیں کہتی کہ قبروں کو زمین بوس کر دو، بلکہ یہ بیان کر رہی ہے کہ قبروں کو ہموار کیا جائے، اگر روایات کو ایک جگہ جمع کیا جائے تب بھی یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔“ -

صحابہ کرام اور مسلمانوں کی سیرت

بیت المقدس کے ارڈگرد انیمیاء الہی کی قبریں مثلاً: قبر جناب داؤد، قبر جناب ابراہیم، قبر جناب اسماعیل، قبور جناب اسحاق و یعقوب اور قبر جناب یوسف پر عالیشان اور بلند و بالا عمارات میں تعمیر ہیں، ان قبروں پر اسلام سے قبل بڑے بڑے پھر لگے ہوئے تھے اور فتح بیت المقدس کے بعد بھی پہلی ہی حالت پر باقی رہیں۔ (۲)

ابن تیمیہ نے بھی خود اقرار کیا ہے کہ ”فتح بیت المقدس تک صحابہ کے دور میں جناب ابراہیم کی قبر پر مقبرہ تعمیر تھا لیکن ۳۰۰ ہفتے تک بند تھا۔“

۱. المجموع: ج ۵، ص ۲۲۹.

۲. کشف الارتیاب: ص ۲۸۳. درر الاخبار: ج ۲، ص ۱۸۵. معالم الزلفی: ص ۱۰۸.

اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح بیت المقدس کے وقت ان عمارتوں کو عمر نے یقیناً دیکھا تھا لیکن ان عمارتوں کو منہدم کرنے کا حکم نہیں دیا!۔

ابن بہمید کا دعویٰ ہے کہ مقبروں کا رواج پانچویں صدی سے ہوا اور اس سے پہلے مقبروں کی تعمیر رائج نہیں تھی، لیکن تاریخ اس دعوے کے خلاف ہے، کیونکہ بعض ایسی قبریں بھی ہیں جو پانچویں صدی سے پہلے بھی تھیں اور ان پر مقبرے تعمیر تھے یہاں تک کہ بعض قبریں پہلی اور دوسری صدی میں تھیں، ان میں سے چند قبروں کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے:

۱۔ پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کا ججرہ۔

۲۔ جناب حمزہؑ کی قبر پر مسجد کی عمارت۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کے فرزند ابراہیمؑ کی قبر، جو محمد بن زید بن علیؑ کے بیت الشرف میں واقع ہے۔

۴۔ ابن احیٰ کے گھر میں واقع سعد بن معاذؓ کی قبر، اس قبر پر عمر بن عبد العزیز کے دور حکومت میں دوسری صدی کے دوسرے حصہ میں گنبد تعمیر کیا گیا۔ (۱)

۵۔ قبر زبیرؓ کا مقبرہ جو ۳۸۲ھ میں تعمیر کیا گیا۔

۶۔ عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علیؑ کی قبر، جو چوتھی صدی میں تعمیر ہوئی۔

قبر پیغمبر اکرم ﷺ کی مرمت

۱۔ حضور اکرمؐ کا جنازہ، ججرہ میں دفن کیا گیا، اگر مقبرہ بنانا حرام ہوتا تو صحابہ پہلے اس ججرہ کو منہدم کرتے! کیونکہ وہابیوں کے دعوے کے مطابق: اگر مقبرہ اور بت پرستی

۱۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۵۲۵۔ کشف الارتیاب: ص ۳۲۳۔

میں کوئی فرق نہیں ہے تو ان باتوں میں بھی کوئی فرق نہیں کہ مقبرہ، دفن سے پہلے بنایا گیا ہو یا دفن کے بعد!۔ بہر حال گز شستہ زمانوں سے آج تک قبر رسول پر گنبد موجود ہے۔ (۱)

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کے بیت الشرف میں دیوار نہیں تھی، اور پہلی بار یہ دیوار عمر ابن خطاب نے تعمیر کرائی۔ (۲)

۳۔ عائشہؓ نے قبر رسولؐ اور اپنے حجرہ کے درمیان دیوار تعمیر کرائی اور پھر اس حجرہ میں سکونت پذیر بھی ہوئیں اور نماز بھی ادا کرتی تھیں؛ لوگ شفا کی خاطر پیغمبرؐ کی قبر مبارک سے خاک لے جاتے تھے تو عائشہؓ نے دیوار تعمیر کرادی اور اس میں ایک روشنداں کھلا چھوڑ دیا، جب روشنداں سے بھی لوگ خاک لے جانے لگے تو وہ روشنداں بھی بند کرادیا!۔ (۳)

۴۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر رسولؐ پر مقبرہ تعمیر کرایا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی دیوار گرگئی۔

۵۔ عمر ابن عبد العزیزؓ نے حضرتؐ کے بوسیدہ مقبرہ کو توڑا اور پھر دوبارہ تعمیر کرایا، چہار دیواری بھی بновائی اور دیواروں پر سنگ مرمر بھی لگوائے، جب بوسیدہ عمارت کو توڑا گیا تو تین قبریں نظر آئیں۔ (۴)

۱۔ قبر رسول پر گنبد کا ہونا اس بات کا منہج بولتا شاہکار ہے کہ مقبرہ بنانا جائز ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کی قبر پر گنبد، صحابہ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور صحابہ نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اگر گنبد بنانا حرام ہوتا تو صحابہ یہ برداشت نہیں کرتے۔ (مترجم)۔

۳۔ ایضاً: ص ۵۲۲۔

۲۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۵۲۱۔

۳۔ ایضاً: ص ۵۲۷۔

۶۔ متوکل عباسی کے دور حکومت میں، اس حجرہ میں دوبارہ سنگ مرمر لگوائے گئے۔
۷۔ مقتضی عباسی کے دور حکومت میں اس مقبرہ کی مرمت ہوئی اور صندل کی لکڑیوں سے مزین کیا گیا۔

۸۔ مقتضی کے دور حکومت میں دیوار گئی اور اس کی دوبارہ تعمیر کرائی گئی ۱۵۷ھ میں آنحضرت کے روضہ مبارک میں آگ لگ گئی اور مستعصم عباسی کے دور حکومت میں مرمت کرائی گئی اور ملک منصور و ملک مظفر کے دور حکومت کے اسباب وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے تعمیر مکمل ہوئی۔

۹۔ حضور اکرمؐ کی قبر شریف کا پہلا گنبد ملک منصور کے دور حکومت میں تعمیر ہوا، احمد بن عبد القوی نے ۱۷۸ھ میں آسمانی رنگ کا گنبد تعمیر کرایا۔ (۱)

صحابہ اور دیگر افراد کی قبریں
۱۔ منقول ہے کہ عقیل نے اپنے گھر میں کنوں ہو تو اس کنوں میں ایک تختی ملی، جس پر لکھا ہوا تھا ”یا محبیب کی قبر ہے“ (۲)؛ انہوں نے اس کنوں کو بند کر دیا اور اس پر مقبرہ تعمیر کرایا۔

۲۔ ہارون رشید نے دوسری صدی میں امیر المؤمنینؑ کی قبر اطہر پر گنبد تعمیر کرایا (۳)

۱۔ کشف الارتیاب: ص ۳۰۰۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۵۷۳۔

۲۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کیونکہ اگرام حبیب سے مراد رسول اسلام کی زوجہ ہی ہیں تو یہ حال ہے کہ عقیل کو ان کی قبر کا علم نہ ہو کیونکہ ان دونوں کی زندگی کا ایک ہی دور تھا۔

۳۔ پوچھی صدی کے شاعر ”حسین بن حجاج“ نے قصیدہ بھی لکھا جس میں گنبد کا تذکرہ کیا: اے سرز میں نجف پر سفید گنبد کے ماک! جو آپ کی زیارت کرے اور آپ کے وسیلہ سے شفاف طلب کرے تو خدا اسے شفاف عطا فرماتا ہے۔

۳۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے: ”امام کاظمؑ کو شونیز نامی قبرستان میں دفن کیا گیا، ان کی قبر معروف زیارتگاہ ہے، ان کی قبر پر ایک عظیم بارگاہ تعمیر ہے جس میں انواع و اقسام کے فانوس، قدیلیں اور عالیشان فرش بھی موجود ہیں“۔ (۱)

۴۔ امام رضاؑ کو اسی مقبرہ میں دفن کیا گیا جس مقبرہ میں ہارون رشید کو دفن کیا گیا تھا، تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ما مون نے اپنے باپ کا مقبرہ ۲۰۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

۵۔ حبیب بن اویس طائی نے ۲۳۲ھ میں ابو تمام طائی کی قبر پر عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا۔

۶۔ حسن بن سہل کی بیٹی نے ۲۲۷ھ میں ”پوران“ کی قبر پر مقبرہ تعمیر کرایا۔

۷۔ ذہبی کا بیان ہے: ”متوکل کے حکم سے ۲۳۲ھ میں امام حسینؑ کی قبر مبارک اور چهار دیواری ویران کردی گئی، متوکل کے اس عمل سے مسلمانوں میں غم کی گھٹا چھا گئی؛ بغداد کے لوگوں نے مسجد کے درود پوار پر متوکل کے خلاف باتیں لکھیں، اس زمانہ کے شاعروں نے بھی اپنے اشعار میں اس کی ہجومی، مثلًا: خدا کی قسم! بنی امیہ نے دختر پیغمبرؐ کی اولاد پر ظلم و ستم کئے، آج پھر بنی عباس بھی بنی امیہ کی مانند آں رسول پر مظالم ڈھانے لگے! ان کی قبر کو ویران کر دیا، انھیں افسوس تھا کہ قتل حسینؑ میں شریک نہ ہو سکے الہذا اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے قبر سے انتقام لے رہے ہیں“۔ (۲)

۱. وفيات الاعيان: ج ۵، ص ۳۱۰.

۲. تاريخ الاسلام: ذہبی، ج ۱، ص ۱۸۱۔ کشف الارتیاب: ص ۳۰۸۔ وفاء الوفاء: ج ۲، ص ۸۲۰۔

جیسا کہ معلوم ہو گیا کہ بلهید کا دعویٰ بے بنیاد اور دلیل سے عاری ہے کیونکہ ہم نے ثابت کیا کہ پانچویں صدی سے قبل بھی مقبرے تعمیر کئے جاتے تھے، اگر مقبروں کا بنانا حرام ہوتا تو اس عمل سے منع کیا جاتا اور شرک سے تعبیر کیا جاتا، بالخصوص ہارون و مامون کے دور حکومت میں کہ ان زمانوں میں علماء کی کثرت تھی لیکن کسی بھی عالم و فقیہ نے اس عمل کی بابت ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا جب کہ ان علماء نے قرآن کے متعلق مامون کے نظریہ کی مخالفت بھی کی اور زندان کے شکنے بھی برداشت کئے!۔

۸- خطیب بغدادی، سلمان فارسیؑ کی قبر کے متعلق بیان کرتے ہیں: ”سلمان فارسیؑ کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی، ان کی بارگاہ معروف ہے جو ایوان کسریٰ کے نزدیک ہے، ان کی قبر پر عالیشان عمارت تعمیر ہے اور وہاں خادم بھی موجود ہیں جو اس بارگاہ کی حافظت کرتے ہیں“۔ (۱)

۹- ابن بطوطة، طلحہ کی قبر کے متعلق بیان کرتے ہیں: ”طلحہ، جنگ جمل، ۳۶ھ میں قتل ہوئے، ان کی قبر شہر کے اندر ہے، ان کی قبر پر گند اور مسجد تعمیر کی گئی ہے، ان کے مقبرہ میں مہمان نوازی کا ہاں بھی ہے“۔ اسی طرح ابن بطوطة نے کئی صحابہ و تابعین کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے کہ جن قبروں پر صاحبان قبور کے اسماء بھی درج ہیں اور تاریخ وفات بھی مرقوم ہے۔ (۲)

۱۰- قبر زیر بن عوام کے متعلق ابن جوزی کا بیان ہے: ”اشیر ابوالمسک عنبر نے زیر کی قبر پر عمارت تعمیر کی اور اس کو مسجد قرار دیا گیا، وہاں قندیلیں، چٹائیں، قالین اور خادم بھی موجود ہیں اور ان کے اخراجات کے لئے کچھ زمینیں بھی وقف ہیں“۔ (۳)

۱. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۲۳۔ ۲. رحلہ ابن بطوطة: ج ۱، ص ۷۸۔

۳. المتنظم: ج ۱۲، ص ۳۸۔ یہ وہی طلحہ وزیر نے جنہوں نے علیؑ کی مخالفت میں آتش جنگ ہڑ کائی۔

۱۱۔ روم میں واقع قبر ابوالیوب الانصاری کے متعلق، ولید کا بیان ہے: ”ان کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی، ایک فلسطینی بوڑھے نے مجھے یہ بات بتائی کہ قسطنطینیہ کی دیوار کے نیچے ایک سفید رنگ کی عمارت تھی، لوگ کہتے تھے کہ یہ حجاجی پیغمبر ابوالیوب الانصاری کا مقبرہ ہے، میں خود وہاں گیا اور اس مقبرہ میں ان کی قبر کو دیکھا، قبر کے اوپر ایک بڑی قدمیل آؤیزاں تھی جو زنجیروں میں لٹکی ہوئی تھی“۔ (۱)

ابن کثیر کا بیان ہے: ”ابوالیوب کی قبر پر بارگاہ اور مسجد تعمیر کی گئی ہے“۔ (۲)

۱۲۔ ذہبی کا بیان ہے: ”امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر پر عظیم بارگاہ تعمیر ہے، اسی طرح ان کے فرزند رجمند ”امام رضاؑ“ کی قبر پر بارگاہ تعمیر کی گئی ہے جو طوس میں واقع ہے“۔ (۳)

۱۳۔ ابن جوزی کا بیان ہے: ”ابو سعد شرف الملک نے ۲۵۹ھ میں ابوحنیفہ کی قبر پر مقبرہ اور گنبد تعمیر کرائے“۔ (۴)

۱۴۔ معروف کرخی کی قبر کے متعلق، ابن جوزی کا بیان ہے: ”۲۶۰ھ میں معروف کرخی کی قبر کی تعمیر کی گئی اور اسے پختہ بنایا گیا“۔ (۵)

۱۵۔ محمد بن ادریس شافعی کی قبر کے متعلق، ذہبی کا بیان ہے: ”ملک کامل نے محمد بن ادریس شافعی کی ضرخ پر گنبد تعمیر کرایا“۔ (۶)

۱۶۔ ابو علی ہسپیش کی قبر کے بارے میں ابن جوزی کا بیان ہے: ”کوفہ میں ان کی قبر آشکار ہے اور اس پر بارگاہ تعمیر ہے“۔ (۷)

۱۔ تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۵۲۔ شرح مسنند ابی حنیفة: ص ۲۳۸۔ الطبقات: ج ۳، ص ۲۸۵۔

۲۔ مشاهیر علماء الامصار: ص ۲۹۔ الفتاوی: ج ۳، ص ۱۰۲۔ المعجم الكبير: ج ۲، ص ۱۱۸۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۲۷۳۔ البالدية والنهائية: ج ۸، ص ۲۵۔

۴۔ المتنظم: ج ۱۲، ص ۱۰۰۔ ۵۔ ایضاً: ص ۵۰۔

۶۔ المتنظم: ج ۱، ص ۲۰۲۔ ۷۔ دول الاسلام: ص ۱، ص ۳۲۲۔

ابوزیر کی روایت سے وہابیوں کا استناد

مسلم (۱)؛ ترمذی (۲)؛ ابن ماجہ (۳)؛ نسائی (۴)؛ ابو داؤد (۵)؛ اور احمد (۶)؛

نے اپنی اپنی کتابوں میں ابوزیر کی روایت کو نقل کیا ہے، اور وہابیوں نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اسی روایت سے استناد کیا ہے اور کہا ہے کہ پیغمبر اکرم نے قبر پر قاعی کرنے (رنگ کرنے)، اس کے اوپر بیٹھنے یا عمارت بنانے کو منع فرمایا ہے۔

یہ روایت پانچ طرق (سلسلہ سند) سے نقل ہوئی ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا سلسلہ سند

ابو بکر بن ابی شیبہ کا بیان ہے: ”حفص بن غیاث نے ابن جرتج سے، ابن جرتج نے ابوزیر سے، ابوزیر نے جابر ابن عبد اللہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا...“۔ (۷)

دوسرा سلسلہ سند

ہارون کا بیان ہے: ”جان بن محمد، محمد بن رافع اور عبدالرزاق نے ابن جرتج سے اور ابن جرتج نے ابوزیر سے نقل کیا ہے کہ...“۔ (۸)

۲. صحیح ترمذی: ج ۲، ص ۲۰۸.
۳. سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۲۷۳.
۴. سنن نسائی: ج ۲، ص ۸۷.
۵. سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۱۶.
۶. مسنده احمد: ج ۳، ص ۲۹۵.
۷. صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۳.
۸. سنن ترمذی: ج ۲، ص ۲۰۸.

۱. صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۳.
۲. سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۱۶.
۳. صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۳.
۴. صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۳.

ساتویں فصل: مقبروں کی مرمت اور گنبد

(۱۹۹)

تیرسلسلہ سند

عبد الرحمن بن اسود کا بیان ہے: ”محمد بن ربعہ نے ابن جرتج سے اور ابن جرتج نے ابو زیر کے حوالہ سے نقل کیا کہ...“۔ (۱)

چوتھا سلسلہ سند

از هر بن مردان، محمد بن زیاد کے حوالہ سے بیان کرتا ہے: ”عبدالوارث نے ایوب سے اور ایوب نے ابو زیر سے نقل کیا کہ...“۔ (۲)

پانچواں سلسلہ سند

یوسف بن سعید کا بیان ہے: ”حجاج نے ابن جرتج سے اور ابن جرتج نے ابو زیر سے نقل کیا کہ...“۔ (۳)

روایت کی سند کا تحقیقی جائزہ

اس روایت کے راوی: ابن جرتج، حفص بن غیاث، محمد بن ربعہ اور عبد الرزاق ہیں، ان میں سے ہر ایک راوی کی الگ الگ تحقیق کرتے ہیں:
۱۔ ابن جرتج: عبد الملک بن عبدالعزیز بن جرتج اموی، اس کے تعلق راوی شناسان کے نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

الف: ابن جرتج کی روایت کے متعلق یحییٰ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: اس کی روایت ضعیف ہیں، کہا گیا کہ وہ روایت نقل کرنے میں لفظ ”خبرنی“ کا

۱. سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۳۷۴۔

۲. ایضاً۔

۳. سنن نسائی: ج ۲، ص ۸۷۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

استفادہ کرتا ہے! جواب دیا: قابل توجہ نہیں ہے، اس سے منقول ہر روایت ضعیف ہے۔
ب: احمد بن حنبل کا بیان ہے: ”اگر ابن جرتع یہ کہے کہ فلاں فلاں نے مجھ سے
بیان کیا، تب بھی اس سے منقول روایت مردود ہے۔“

ج: مالک بن انس کا بیان ہے: ”ابن جرتع کی روایات، اس شخص کی مانند ہیں جو
تاریکی شب میں سوئی تلاش کر رہا ہو!“

د: دارقطنی کا بیان ہے: ”ابن جرتع سے بچو، اس لئے کہ وہ ناحق کو حق بتاتا ہے اور
نقل روایت میں دھوکہ دھڑی سے کام لیتا ہے، اسی طرح جب وہ ضعیف راوی سے
منقول روایت کو نقل کرتا ہے تو ایسا ظاہر کرتا ہے کہ قابل اعتماد شخص کے حوالہ سے نقل
کر رہا ہے۔“

ه: ابن حبان کا بیان ہے: ”وہ روایات نقل کرنے میں چال بازی اپناتا ہے۔“
و: یحییٰ بن سعید کا بیان ہے: ”اگر ابن جرتع یہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھ سے بیان
کیا، تو سمجھ لینا کہ اس نے ہوا میں تیر چھوڑا ہے۔“

ز: یزید بن زریع کا بیان ہے: ”ابن جرتع کی گفتگو کاف آسود ہوتی ہے۔“
ح: ذہبی کا بیان ہے: ”وہ روایت نقل کرنے میں دھوکہ دھڑی سے کام لیتا ہے
اگر چہ اس کو شفہ کہا گیا ہے لیکن اس نے تقریباً ستر عروتوں سے متعہ کیا ہے۔“

ط: عبد اللہ ابن احمد کا بیان ہے: ”میرے والد نے کہا: ابن جرتع نے جو بعض مرسل
روایات نقل کی ہیں وہ خود ساختہ روایات ہیں لیکن وہ اس بات کو اہمیت نہیں دیتا کہ اس
روایت کی سند کیسی ہے!“

ی: دارقطنی کا بیان ہے: ”ابن جرتع کی دھوکہ دھڑی سے پر ہیز کرو، وہ روایات
نقل کرنے میں چال بازی اپناتا تھا، جب وہ ابراہیم بن یحییٰ جیسے ضعیف راویوں

ساقیں فصل: مقبروں کی مرمت اور گنبد

(۲۰۱)

سے روایت نقل کرتا تھا تو اس میں دھوکہ دھڑی سے کام لیتا تھا۔ (۱)
۲۔ اس روایت کا دوسرا راوی ”ابوزیر، محمد بن مسلم بن مدرس آمدی“ ہے، جس کو
راوی شناسان نے ضعیف شمار کیا ہے، جن میں سے بعض افراد کے نظریات مندرجہ
ذیل ہیں:

الف: احمد بن حنبل سے منقول ہے: ”ایوب نے ابوزیر کو ضعیف شمار کیا ہے۔“
ب: نعیم بن حماد کا بیان ہے: ”میں نے سنائے کہ وہ ابن عینیہ کی نظر میں ضعیف
راوی تھا۔“

ج: سوید بن عبدالعزیز کا بیان ہے: ”شعبہ نے مجھ سے کہا: تم ابوزیر سے کس
طرح روایت نقل کرتے ہو؟ حالانکہ وہ مناز بھی صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا!“
د: نعیم کا بیان ہے: ”میں نے شہم سے سنا کہ ابوزیر نے کہا: شعبہ نے میری
کتاب میرے ہاتھ سے لے کر پھاڑ ڈالی۔“
ه: عبد الرحمن بن حاتم کا بیان ہے: ”میں نے اپنے والد سے ابوزیر کے بارے
میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: اس سے منقول روایات تحریر ہیں لیکن ان سے
احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔“ (۲)

و: ترمذی کا بیان ہے: ”شعبہ نے ابوزیر کو ضعیف شمار کیا ہے۔“ (۳)
ز: ابو زرعة اور ابو حاتم کا بیان ہے: ”اس کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔“

۱. تہذیب الکمال: ج ۱، ص ۳۲۸۔ تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۰۳۔ میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۲۵۹۔

۲. تہذیب الکمال: ج ۲۶، ص ۷۰۷۔

۳. الجامع الصحیح: ج ۵، ص ۷۵۶۔

وہابیت کا تقیدی جائزہ

ح: ابو عینیہ کا بیان ہے: ”ابوزیر ہمارے لئے نان جویں کی مانند ہے، اگر ہمیں عمر و بن دینار نہیں ملتا تو ابوزیر کو ڈھونڈتے ہیں“۔ (۱)

ط: ابن ابی حاتم نے ابوزیر سے ابوزیر کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: لوگ اس کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہیں!، پوچھا: کیا اس کی روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ جواب دیا: صرف قابل اعتماد راویوں کی روایتوں پر ہی بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

ی: شعبہ کا بیان ہے: ”میرے لئے اس دنیا میں ابوزیر سے محبوب کوئی شے نہیں تھی، میں چاہتا تھا کہ جب بھی کہہ سے آئے، ابوزیر کی خبر لے کر آئے، اسی اشتیاق نے مجھ کے پہنچا دیا، میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور ایک سوال پوچھا، ابوزیر نے اس پر تہمت لگادی، میں نے پوچھا: کیا ایک مسلمان پر تہمت لگانا جائز ہے؟ ابوزیر نے کہا: اس نے مجھے غصہ دلادیا تھا، میں نے پوچھا: جو بھی تمہیں غصہ دلائے گا تم اسی پر تہمت لگادو گے؟ میں اس کے بعد تمہارے حوالے سے کوئی روایت نقل نہیں کروں گا۔“ (۳)

شعبہ کی بات کی تائید تہذیب التہذیب میں بھی ہوتی ہے کہ ابوزیر کو غصہ آگیا تو اس نے ایک شخص پر تہمت لگادی!۔ (۴)

۱. کیونکہ ہو کی روٹی اسی وقت کھائی جاتی ہے جب گیہوں کی روٹی میسر نہیں ہوتی۔ (متجم).

۲. یعنی ابوزیر قبل اعتماد راوی نہیں ہے لہذا اس کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (متجم).

۳. میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۷۔

۴. تهدیب التہذیب: ج ۹، ص ۲۲۲.

ان نظریات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ابو زیر ایک ضعیف راوی ہے، یہ اپنی نماز بھی باقاعدہ ادا نہیں کر سکتا! اس کی روایات سے احتجاج بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ دوسروں پر تہمت لگاتا تھا۔ دوسری جانب سے شعبہ نے اس کی کتاب کو بھی پھاڑ ڈالا، کیا ان باتوں کے پیش نظر اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟۔

۳۔ اس روایت کا تیسرا راوی ”حفص بن غیاث“ ہے، اس کے بارے میں مندرجہ ذیل نظریات ہیں:

الف: یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے: ”اس کی بعض یادداشت سے پرہیز کرنا چاہئے“۔ (۱)

ب: ابو زرعہ کا بیان ہے: ”جب اس کے سامنے منصب قضاوت کی پیشکش رکھی گئی تو اس وقت اس کا حافظہ کمزور تھا“۔ (۲)

ج: داؤد بن رشید کا بیان ہے: ”حفص، روایت نقل کرنے میں بہت زیادہ غلطی کیا کرتا تھا“۔ (۳)

د: احمد بن حنبل کا بیان ہے: ”حفص، روایات کو پر اگدہ کر دیتا تھا اور ایک روایت کی جگہ دوسری روایت، اسی طرح الفاظ کی ہیرا پھیری کرتا تھا“۔ (۴)

۵: احمد سے منقول ہے: ”حفص، روایت میں چال بازی اپناتا تھا“۔ (۵)

۱. تہذیب الکمال: ج ۷، ص ۵۶.

۲. ایضاً.

۳. تاریخ بغداد: ج ۸، ص ۱۹۹.

۴. سیر اعلام النبلاء: ج ۹، ص ۳۱.

۵. تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۲۰.

۳۔ اس روایت کا چوتھا راوی ”محمد بن ربیعہ، ابو عبد اللہ کوفی روایی“ ہے (۱)؛ اس کے متعلق مندرجہ ذیل نظریات ہیں:

الف: ساجی کا بیان ہے: ”اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں“۔ (۲)

ب: ازدی کا بیان ہے: ”اس کی روایات ضعیف اور قابل اعتراض ہیں“۔ (۳)

ج: عثمان بن شیبہ کا بیان ہے: ”محمد بن ربیعہ میرے پاس آیا اور اس نے چاہا کہ میں اس کی روایات بھی نقل کروں!، میں نے اس سے کہا: میں جھوٹی روایتوں کو اپنی روایتوں کے ساتھ نہیں کرتا!“۔ (۴)

۵۔ اس روایت کا پانچواں راوی ”عبدالوارث فرزند سعید بن ذکوان تمیمی“ ہے، اس کے متعلق مندرجہ ذیل نظریات ہیں:

الف: بخاری کا بیان ہے: ”عبدالرحمٰن نے کہا کہ عبدالوارث نے میرے باپ پر بہت تمیس لگائیں“۔ (۵)

ب: دارقطنی کا بیان ہے: ”اس سے منقول روایات صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں“۔

ج: ابن معین کا بیان ہے: ”عبدالوارث، مجہول شخص ہے“۔ (۶)

د: ترمذی کا بیان ہے: ”بخاری کے بقول: عبدالوارث، مرد و اور غیر معروف روایات نقل کرتا تھا“۔

۱۔ تہذیب الکمال: ج ۲۵، ص ۱۹۶۔

۲۔ تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۱۲۳۔

۳۔ میزان الاعتدال: ج ۳، ص ۵۲۵۔

۴۔ میزان الاعتدال: ج ۳، ص ۵۲۵۔

۵۔ تہذیب الکمال: ج ۱۸، ص ۳۸۳۔

۶۔ لسان المیزان: ج ۲، ص ۲۷۸۔

۶۔ اس روایت کا ایک راوی ”عبدالرزاق صنعاوی“ ہے، اس کو ضعیف شمار کیا گیا ہے، اس کے ضعیف ہونے کے چند اسباب ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ شیعہ تھا، اور اہل سنت کے نزدیک شیعہ راوی ضعیف ہوتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی قوت ساعت کمزور تھی۔ اور ان کے علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر بھی ضعیف ہے۔ (۱) بہر حال روشن ہو گیا کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس پر بہت زیادہ اعتراضات ~~وارد~~ ہوئے ہیں اور اس روایت کے راوی ضعیف ہیں، اسی بنابر لغوں کو تجرب ہے کہ وہابی فرقہ، اس جیسی روایتوں پر کیسے اعتماد کر لیتا ہے؟ اور ایسی روایتوں کو بنیاد بناتے ہوئے فتویٰ بھی دے دیتا ہے! تمام مسلمانوں کو فرشاٹ کرتا ہے اور ان کے خون کو مباح شمار کرتا ہے!۔

روایت کا مفہوم اور اس کا تحقیقی جائزہ

اس روایت سے زیادہ سے زیادہ، نہیں سمجھ میں آتی ہے اور نہیں کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک تو حرام ہونا اور دوسرے مکروہ ہونا؛ بہت سی روایات میں نہیں، کراہت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ (۲)

۱۔ تہذیب الکمال: ج ۸، ص ۵۸۔ میزان الاعدال: ج ۲، ص ۱۱۔ الجرح والتعديل: ج ۲، ص ۳۸۔

۲۔ پیغمبر اکرم سے منقول بہت سی روایات ہیں جن میں نہیں کی گئی ہے لیکن وہ نہیں کراہت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے، مثلاً کچھ لہسن کھانا، نہماز کو اختصار کے ساتھ پڑھنا، روزہ کی حالت میں خون کی جامت، جیوٹی اور شہد کی بھی کو مارنا، عورت کا وضو میں یافی زیادہ استعمال کرنا، غbast خوار جانور کی سواری کرنا، پیچ کے دن روزہ رکھنا، تاجر شکر کی ضیافت اور استقبال، حیوانات کی جان کے درپے ہونا، پیاز کا استعمال، پانی بیچنا، امام جماعت کا اذان کہنا، سفر میں قرآن ساتھ رکھنا، پچ کی ولادت کے لئے کندڑ ہن دانی کا انتخاب، کھڑے ہو کر پیشتاب کرنا، حمام میں پیشتاب کرنا اور مہاجر کو عرب بادی شہین کے ہاتھوں فروخت کرنا؛ بہر حال ایسی بہت سی چیزیں یہیں جن سے معن کیا گیا ہے لیکن ان سے پہیزہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ قبر کے بارے میں بھی اسی قسم کی روایت وارد ہوئی ہے لہذا قبر سے متعلق تمام کام مکروہ ہیں نہ کہ حرام۔

اس بنا پر، قبر سے متعلق روایت بھی مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، قبر کے امور کو حرام قرار نہیں دیتی۔

دوسری جانب سے بہت سے علمائے اہل سنت کے فتوے بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت ان امور کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے نہ کہ حرام ہونے پر!، ان میں سے چند نظریات کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہے:
۱۔ فرقہ شافعی کا نظریہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر قبر کو زمین سے اونچا نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ سندی نے نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ قبر پر کچھ لکھنا منع ہے، اس طرح کی روایات صحیح ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ مشرق سے مغرب تک کے تمام گزشہ مسلمانوں کی سیرت رہی ہے کہ قبر پر کچھ نہ کچھ تحریر کرتے تھے اور یہ سلسلہ نسل درسل جاری رہا۔ (۱)

۳۔ نووی کا بیان ہے: ”صاحب قبر کی ملکیت میں قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے، اور موقوفہ زمین میں عمارت بنانا حرام ہے، شافعی اس کی توضیح میں کہتے ہیں: ہمارے علماء نے قبر کی تعمیر کو مکروہ شمار کیا ہے“۔ (۲)

یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ روایات قبر کی تعمیر، مرمت اور مقبرہ بنانے کے متعلق نہیں ہیں کیونکہ یہ تمام اعمال شعائر الہی شمار ہوتے ہیں اور شعائر الہی کی تعظیم کرنا لازم ہے، اور ان امور کا شعائر الہی قرار پانا اس وجہ سے ہے کہ ان قبور میں پیغمبر یا ولی خدا دفن ہیں یا ان قبور پر مقبرے تعمیر کرنا دین کی نظر میں مصلحت ہے مثلاً ایسی

۱. سنن نسائی: ج ۳، ص ۸۷۔

۲. شرح صحیح مسلم: ج ۳، ص ۶۲۔

ساتویں فصل: مقبروں کی مرمت اور گنبد

(۲۰۷)

قبکاشان ہو جس کی زیارت کو شریعت نے مستحب قرار دیا ہو! اور اس قبر کا نشان نہیں مٹانا چاہتی، جیسا کہ پیغمبر نے عثمان بن مظعون کی قبر پر نشان لگایا جناب فاطمہ نے جناب حمزہ کی قبر پر نشانی کے طور پر پھر رکھا۔

اس کے علاوہ بہت سے تاریخی شواہد ہیں جو ہماری بات کی تائید کرتے ہیں،

جن میں سے چند شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابن ماجہ کا بیان ہے: ”رسول خدا نے عثمان بن مظعون کی قبر پر نشانی کے بطور ایک پھر رکھا (۱)؛ پیشی نے کہا ہے: یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند معتبر ہے“۔ (۲)

اس روایت کی تصریح کرتے ہوئے سندی نے بیان کیا: ”رسول خدا نے عثمان بن مظعون کی قبر پر اس لئے پھر رکھا تھا تاکہ ان کی قبر نظر آتی رہے“۔

بعض صحابہ کرام سے منقول ہے: ”جب عثمان بن مظعون کو دفن کر دیا گیا تو آنحضرت نے ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں پھر اٹھا لاؤ لیکن وہ شخص اس پھر کو اٹھانے میں ناکام رہا، پیغمبر اکرم خود ہی اٹھے اور آستین چڑھا کر پھر اٹھایا، آپ نے وہ پھر قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا: اس پھر کے ذریعہ میں نے اپنے بھائی کی قبر کو معین کر دیا ہے اور اگر میرے خاندان کی کوئی فرد خدا کو پیاری ہوگی تو میں اس کو ان کے پہلو میں دفن کروں گا“۔

جب مرداں حاکم مدینہ ہوا اور اس کا گزر عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس سے ہوا تو اس نے حکم دیا کہ وہ پھر اٹھا کر دور پھینک دیا جائے، اس کے بعد کہا: خدا کی قسم! اب ابن مظعون کی قبر پر کوئی پھر نہیں ہے کہ اس کی قبر کو پہچانا جاسکے! بنی امية

۱۔ سنن ابن ماجہ: ج ۱، ص ۳۹۸

۲۔ ایضاً۔

آگے بڑھے اور کہا: یہ تو نے بہت برا کام کیا ہے! حکم دے کہ وہ پتھروالیں رکھ دیا جائے، مروان نے جواب دیا: خدا کی قسم! جو پتھر دور پھینک دیا گیا ہے وہ واپس نہیں لایا جائے گا۔ (۱)

۳۔ اصح بن نباتہ کا بیان ہے: ”جناب فاطمہؑ نے جناب حمزہؑ کی قبر کو معین کرنے کے لئے ایک پتھر رکھا، آپ وہاں جا کر گریہ کرتی تھیں“ (۲)؛ خود رسول اسلام، عمر اور ابو بکر کی قبروں پر بھی چھوٹے چھوٹے پتھر لگے ہوئے تھے۔ (۳)

مقبرہ بنانے کے فوائد

یہاں پہنچ کر مناسب ہے کہ مقبرہ بنانے کے فوائد بیان کئے جائیں، لہذا کچھ فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شعائر الہی کی تعظیم اور مکررین کی ناک رگڑنا۔

۲۔ زائروں کے لئے گرمی و سردی سے بچنے کے امکانات، کیونکہ زائر صرف ایک منت کے لئے نہیں آتے بلکہ کافی دیر کے لئے آتے ہیں، اگر انتظامات درست نہ ہوں گے تو وہ لوگ کیسے ٹھہر پائیں گے! مثلاً نماز، تلاوت، محفل اور مجلس وغیرہ کے لئے برآمدہ (ہال) وغیرہ ہونا لازم ہے۔



۱۔ وفاء الوفاء: ج ۳، ص ۸۹۳.

۲۔ المصنف: ج ۳، ص ۵۷۳.

۳۔ ایضاً تاکہ قبر معین رہے۔ (مترجم).

اٹھویں فصل

قبر پر چراغ جلانا

وہاں کا نظریہ

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ وہاں، قبر پر چراغ جلانے کو حرام قرار دیتے ہیں، ان لوگوں کی دلیل یہ ہے: ”رسول خدا نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو قبرستان جاتی ہیں، ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں پر مسجد تعمیر کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر چراغ جلاتے ہیں۔“ (۱)

۱. سنت نسائی: ج ۲، ص ۹۵۔ مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۵۳۰۔

گذشتہ نظریہ کا تحقیقی و تقدیمی جائزہ

- مذکورہ بالا وہابی عقیدہ کے مندرجہ ذیل جواب دیے جاسکتے ہیں:
- ۱۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
 - ۲۔ اس روایت کا منتظر نظر، انبیاءؐ الٰی اور اولیاء خدا کی قبریں نہیں بلکہ دیگر افراد کی قبریں ہیں کیونکہ شریعت نے انبیاءؐ الٰی اولیاء خدا کی عزت و تعظیم کو پسند کیا ہے، ان کی حیات میں بھی اور بعد وفات بھی۔
 - ۳۔ یہ روایت اس زمانہ سے مخصوص ہے کہ قبر پر چراغ جلانے سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ مال کی بربادی شمار ہوا لیکن اگر یہ چراغ زائروں کے استفادہ کی خاطر روشن کیا گیا ہے، مثلاً تلاوت، دعا اور نماز وغیرہ کے لئے تو اس میں کوئی حرخ نہیں ہے، اس صورت میں قبر پر چراغ جلانے تو مکروہ ہے نہ ہی حرام! بلکہ یہ کام خیرو بینکی اور ثواب پر مبنی ہے۔ عزیزی، سندی، شیخ حنفی اور شیخ مصمور جیسے گرانقدر علماء نے بھی اسی بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ جن کے بیانات تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔
 - اس کے علاوہ، پیغمبر اکرمؐ کا عمل ہماری بات کی بہترین تائید ہے، ترمذی نے ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا: پیغمبر اکرمؐ ایک شب ایک مقبرہ میں تشریف لے گئے اور آپؐ کے لئے چراغ روشن کیا گیا۔ (۱)

مسلمانوں کی سیرت

ابن تیمیہ کی ولادت سے پہلے، اسی طرح اس کی ولادت کے بعد بھی مسلمانوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ قبر پر چراغاں کرتے تھے، اس کے بہت زیادہ نمونے ہیں

۱. الجامع الصحیح: ج ۳، ص ۳۷۲۔

جن میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابوالیوب النصاری کی قبر پر چراغاں: ”خطیب بغدادی نے ولید سے نقل کیا ہے: فلسطین کے ایک بزرگ شخص نے بیان کیا کہ فلسطینیہ کی دیوار کے پاس ایک سفید عمارت تھی جو صحابی پیغمبرؐ، ابوالیوب النصاری، کامِ قد تھا، میں وہاں گیاتو میں نے دیکھا کہ اس مرقد میں ایک بڑا فانوس اور قدیل لٹکے ہوئے ہیں جو زنجیروں میں آؤزیں ہے۔“ (۱)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خطیب بغدادی کی وفات پانچویں صدی میں ہوئی اور ابن تیمیہ نے نویں صدی میں کوچ کیا، یا یوں تعبیر کیا جائے کہ ان دونوں میں تقریباً چار صدی کا فاصلہ ہے، لہذا ابن تیمیہ کے وجود سے قبل بھی مسلمانوں کی سیرت رہی ہے قبر کو چراغاں کیا کرتے تھے لیکن کسی فقیہ نے حرام قرآنیں دیا اور نہ ہی شرک و بدعut قرار دیا!۔

۲۔ زبیر کی قبر پر چراغاں: ابن جوزی کا بیان ہے: ”بصرہ کے لوگوں نے ۳۸۶ھ میں یہ دعویٰ کیا کہ انھیں ایک پرانی قبر ملی ہے، وہ زبیر کی قبر تھی؛ اسی باعث اس قبر کے لئے فانوس، قندریلیں اور انواع و اقسام کے فرش مہیا کئے گئے اور اخراجات کے لئے زمین بھی وقف کی گئی“ (۲)

مذکورہ بالا کام، چوتھی صدی میں انجام دیا گیا یعنی ابن تیمیہ کے وجود سے پانچ صدی پہلے؛ لیکن اس کے باوجود ابن تیمیہ سے پہلے کسی بھی عالم و فقیہ نے زبیر کی قبر یاد گیر قبروں پر چراغاں کرنے کو حرام قرآنیں دیا!۔

۱. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۵۲۔

۲. المتنظم: ج ۹، ص ۳۹۔ دار الفکر بیروت۔

وہابیت کا تقدیدی جائزہ

۳۔ امام کاظمؑ کی قبر اطہر پر چراغاں: خطیب بغدادی کا بیان ہے: ”آپؐ کی قبر عظیم زیارت گاہ ہے، اس پر بہترین مقبرہ تعمیر ہے اور اس مقبرہ میں عالیشان جھاڑ فانوس، چراغ اور قندیلیں آؤزیں ہیں“۔ (۱)

روایت کا تقدیدی و تحقیقی جائزہ

اس روایت کو حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب ”مستدرک“ میں دو طریق سے نقل کیا ہے اور دونوں کا سلسلہ ابن عباسؓ تک پہنچتا ہے، دونوں طرق میں ایک راوی ”ابوصاح باذان“ ہے جو کہ ضعیف اور غیرقابل اعتماد ہے۔ البتہ ایک اور ”ابوصاح سماں“ بھی ہے جو قبل اعتبار اور موافق ہے۔

ابوصاح باذان کے سلسلہ میں ابو حاتم کا بیان ہے: ”اس کی روایات نقل تو کی جاتی ہیں لیکن ان پر بھروسہ نہیں کا جاستا“ سنانی نے کہا ہے: ”باذان موافق و معترض شخص نہیں ہے“۔ ابن عدی کا بیان ہے: ”باذان نے زیادہ تر تفسیری مطالب بیان کئے ہیں، حدیثی مطالب بہت کم بیان کئے ہیں، گذشتہ بزرگوں میں سے کوئی بھی بزرگ اس سے راضی نہیں تھا“۔ (۲)

روایت کی دلالت اور اس کا مفہوم

اس روایت کی دلالت اور معنی کے متعلق تمام علماء نے وہابی عقائد کے خلاف فتویٰ دیا ہے، جن کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱. وفيات الاعيان: ج ۵، ص ۳۱۰.

۲. الكامل في الضعفاء: ج ۲، ص ۱۷. مستدرک حاکم: ج ۱، ص ۵۳۰.

- ۱۔ عزیزی نے پیغمبر اکرم کے قول کی صراحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ”قبروں پر چراغ جلانا اس صورت میں منع ہے کہ جب اس کے نور سے زندہ لوگوں کو کچھ فائدہ حاصل نہ ہو، لیکن اگر لوگوں کے فائدہ کی خاطر جلایا جائے تو درست ہے“۔ (۱)
- ۲۔ سندی نے سنن نسائی کے حاشیہ میں بیان کیا ہے: ”قبروں پر چراغاں اس صورت میں منوع ہے کہ جب لوگوں کو فائدہ نہ ہوا وار مال کی بر بادی شمار ہو، لیکن اگر لوگوں کو فائدہ ہے وہ نچانے کی خاطر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے“۔ (۲)
- ۳۔ شیخ حنفی کا بیان ہے: ”اگر قبر پر چراغاں بے فائدہ ہو تو حرام ہے؛ کیونکہ بغیر مقصد کے چراغاں کرنا مال کی بر بادی ہے“۔ (۳)
- ۴۔ شیخ علی ناصف کا بیان ہے: ”قبروں پر چراغ جلانا، مال کی بر بادی ہے لہذا جائز نہیں ہے، لیکن اگر کوئی زندہ شخص موجود ہے تو چراغاں کیا جاسکتا ہے“۔ (۴)
- بہر حال اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم مولوی نہیں بلکہ ارشادی ہے، یعنی لوگوں کو مال کی بر بادی سے روکتی ہے؛ لہذا اگر قبروں پر چراغاں کرنا عقل کے مطابق ہو تو یہ روایت اس جگہ نافذ نہیں ہوگی۔



۱۔ شرح الجامع الصغير: ج ۳، ص ۹۸۔

۲۔ سنن نسائی: ج ۲، ص ۹۵۔

۳۔ کشف الارتیاب: ص ۳۳۹۔

۴۔ الناج الجامع للاصول: ج ۱، ص ۳۸۱۔

jabir.abbas@yahoo.com



نذر

غیر خدا کی نذر کے متعلق وہاں کوں کا نظریہ
وہاں کوں کا نظریہ ہے کہ غیر خدا کے لئے نذر، بتوں کی نذر کے مثل سے الہار حرام
ہے اور نذر کا مطلب یہ ہے کہ نذر دلانے والا اس شخص کے بارے میں غلوکر رہا ہے
جس کی نذر ہو رہی ہے۔
مگر میں کا بیان ہے: ”غیر خدا کی نذر، شیعوں کی خاصیت ہے؛ کیونکہ وہ لوگ
اپنے اماموں کے بارے میں غلوسے کام لیتے ہیں اور علیٰ واولاً علیٰ کی الوہیت کے
قابل ہیں“۔ (۱)

.....

الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۰۔ کتاب الصراع: ج ۱، ص ۵۳۔ تصمیمی نے شیعوں پرے بنیاد انعام لگایا ہے، یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، کیا کسی فی خدمت میں تکمیل کرنا اس کو خدامانے کے مساوی ہو سکتا ہے؟ اگر کبھی بات سے تو یعنی صاحب شادیوں میں کیوں تختے دیتے ہیں؟!؟۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ وہ مردے میں الہار تنہ کیا مطلب؟ تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ ہم نے پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ اولیائے خدا اپنی قبور میں بھی زندہ رہتے ہیں۔ (متجم).)

ابن تیمیہ کا نظریہ ہے: ”علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ پیسہ، زیورات، شمع، حیوان یا دیگر چیزیں کسی قبر کو یا اس کے مجاہرین کو نہیں دی جاسکتیں، کیونکہ اس قسم کی نذر گناہ شمار ہوتی ہے؛ صحیح روایات میں منقول ہے: جو بھی خدا کی اطاعت کی نذر کرے تو اسے عملی جامہ پہنانا چاہئے اور اگر خدا کی نافرمانی کی نذر کی ہے تو نافرمانی نہیں کرنی چاہئے!“ - (۱) اben تیمیہ دوسرے مقام پر کہتا ہے: ”جب شرک سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مردوں سے درخواست کو منوع قرار دیا گیا ہے بہاں تک کہ پیغمبروں سے درخواست کرنے کو بھی حرام بتایا گیا ہے تو پھر ظاہری بات ہے کہ ساکنین قبور کی نذر بھی حرام اور باطل ہوگی! کیونکہ یہ نذر، بتوں کی نذر جیسی ہے۔ جو قبر کے لئے نذر کا قائل ہے وہ نادان اور گمراہ ہے“ - (۲)

وہابی عقیدہ کا حقیقی جائزہ

۱- نذر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا ثواب پیغمبر خدا، ولی خدا یا صاحبِ بندہ خدا کو ہدیہ کیا جائے! دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا جائے کہ نذر دلانے والے کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ خدا سے تقرب حاصل ہو گا نہ یہ کہ مردہ سے قربت کا خواہاں ہو!، کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس نذر سے مردہ کو کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوگا، مثلاً اگر نذر غذ، لباس یا زیورات پر دلائی گئی ہے تو یہ تمام چیزیں مردہ کے کس کام کی؟ نہ تو وہ کھانا کھا سکتا ہے، نہ ہی زیورات پہن سکتا ہے، نہ ہی لباس زیب تن کر سکتا ہے!۔ لہذا نذر کا واقعی مقصد خدا سے قربت حاصل کرنا اور اس کا ثواب اہل قبرت کے ہو چنانا ہے، اس ناظر میں

۱. کشف الارتیاب: ص ۳۵۵

۲. الملل و الححل: ص ۲۹۱

لازم ہے کہ پہلی ہی فرصت میں مسلمانوں کے امور کو باطل شمار نہیں کیا جائے بلکہ غورو خوض کی ضرورت ہے! بغیر غور و خوض کئے ہوئے کفر و شرک کا فتویٰ لگانا اور نفرت کے تیر چلانا درست نہیں ہے۔

۲۔ یہ نذر، والدین کی نذر جیسی ہے، یا اس نذر جیسی ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی ہو کہ اپنے والدین کی جانب سے صدقہ دے گا تو اس صورت میں نذر بجالانا لازم ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی بیٹی نے آپؐ کے لئے نذر مانی تو آپؐ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔

۳۔ نذر کے لئے خاص مقام کا آمادہ کرنا خود اسی مقام کے مشرف ہونے کی دلیل ہے اور نذر کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس مقام پر نذر بجالا کر زیادہ ثواب حاصل کرے۔ دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کیا جائے کہ جس طرح نمازی، اپنی نماز کے لئے اچھے مقام کا اختیار کرتا ہے اسی طرح نذر کرنے والا بھی اچھے مقام کی تلاش میں رہتا ہے۔ اس کی تائید میں بہت سی روایات موجود ہیں جن میں سے پہنچنے والے ذیل ہیں:

الف: ثابت بن ضحاک سے منقول ہے: ”ایک شخص نے نذر مانی کہ ”بوانہ“ نامی مقام پر قربانی کرے گا، آنحضرتؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور ماجرای ان کیا، حضرتؐ نے سوال کیا: کیا وہاں دور جا بیلت میں بتوں کی پوچھا ہوتی تھی؟ لوگوں نے جواب دیا: نہیں! حضرتؐ نے پوچھا: کیا وہاں کے مشرک، نماز عید قائم کرتے تھے؟ جواب دیا: نہیں! آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور اپنی نذر کو وفا کرو؛ اگر گناہ ان جامدینے کی نذر مانے یا اس چیز کے بارے میں نذر مانے کہ جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، صحیح نہیں ہے۔“

۱۔ سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۳۸

ب: نیمونہ کا بیان ہے: ”میرے والد نے پیغمبر اکرم سے عرض کی: میں نے نذر مانی ہے کہ بوانہ نامی مقام پر پچاس گوسفند ذبح کرو! حضور نے سوال کیا: کیا وہاں بُت ہے؟ جواب دیا: نہیں! آنحضرت نے فرمایا: اپنی نذر کو وفا کرو، میرے والد نے ۳۹ گوسفند ذبح کر دیئے اور آخری گوسفند کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ پور دگار! میری مدفرما کہ میں اپنی نذر کو ادا کر سکوں! پھر آخری گوسفند کو پکڑا اور قربان کر دیا۔“ (۱)

یہ دونوں روایتیں ایک جیسی ہیں؛ حضرت نے جو سوالات کئے ان کا مقصد یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں نے دور جاہلیت میں نذر مانی ہو!۔ کیونکہ وہ زمانہ، دور جاہلیت سے زیادہ دور نہیں ہوا تھا۔

۲۔ نذر لعنتی یہ کہ انسان اپنے آپ پر لازم قرار دے کہ اگر اس کی فلاں حاجت پوری ہو گئی تو فلاں کام کرے گا اور یہ انداز اپنائے: ”میں خدا کے حضور نذر کر رہا ہوں کہ اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو فلاں کام انجام دوں گا۔“ اگر کوئی یہ کہے: ”میں فلاں کے لئے نذر کر رہا ہوں“ تو اس صورت میں مجاز گوئی سے کام لیا ہے اور اپنی نذر کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اس نے درحقیقت یہ کہا ہے: ”میں خدا کے لئے فلاں کام انجام دوں گا اور اس کا ثواب فلاں شخص کو ہدیہ کروں گا۔“

اس قسم کے امور انجام دینے والے مسلمانوں کو ابن تیمیہ کا فرشمار کرتا ہے اور دلیل دیتا ہے کہ یہ کام بہت پرستی کی شبیہ ہے، ابن تیمیہ کا یہ فتویٰ انسان کو اونگشت بدنداں کر دیتا ہے کیونکہ اگر مقابلہ کا معیار شباہت کو قرار دیا جائے تو نہ جانے کتنے امور ایسے

۱. معجم البلدان: ج ۲، ص ۳۰

ہیں جو ایک دوسرے کی شبیہ ہیں، مثلاً تمام مناسک حج، طاہر امرشکریں کے عمل سے مشابہ ہیں کیونکہ وہ لوگ بتوں کا طواف کرتے تھے، ہم بھی کعبہ کا طواف کرتے ہیں؛ وہ بھی بتوں کے سامنے قربانی پیش کرتے تھے، ہم بھی میدان منی میں قربانی کرتے ہیں؛ کیا ان کے اور ہمارے کام ایک جیسے ہو گئے؟ لہذا مقابلہ آرائی میں شباہت کو معیار نہیں بنایا جا سکتا بلکہ معیار انسان کی نیت ہے، جیسا کہ رسول اسلام نے فرمایا: ”انسان کا عمل اس کی نیت پر محصر ہے۔“ (۱)

عزامی شافعی کا بیان ہے: ”اگر کوئی انسان، مسلمانوں کی نذر کے بارے میں تحقیق کرے تو یہی نتیجہ نظر گا کہ وہ لوگ اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ نکالتے ہیں، اور اس صدقہ کا ثواب اپنے بزرگوں کو ہدیہ کرتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ صدقہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے؛ اس عقیدہ پر مشہور صحیح روایت کی مہرتائی بھی ثابت ہے، مثلاً مروی ہے کہ سعد نے پیغمبر اکرم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! میری ماں دنیا سے گزر گئی ہے، میں جانتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتی تو صدقہ دیتی، اگر میں صدقہ دوں تو کیا اس کا ثواب اس تک پہنچے گا؟ حضرت نے فرمایا: ہاں! ضرور پہنچے گا؛ سعد نے پوچھا: کون سا صدقہ سب سے زیادہ فائدہ مند ہے؟ آنحضرت نے فرمایا: پانی!۔ اسی غرض کے تحت سعد نے کنوں کھودا اور کہا: یہ کنوں سعد کی ماں سے منسوب ہے؟“ (۲)

.....
۱. الاعمال بالبيانات. (مترجم).

۲. فرقان القرآن: ص ۱۳۳.

نذر کرنے میں نیت کا خیال رکھنا چاہئے، مثلاً یہ قصد کرے: ”هذه الصدقة للنبي او للولي“ یعنی یہ صدقہ پیغمبر خدا یا ولی خدا کے لئے ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح نیت کرے: ”نذر لِلّهِ“ یعنی میں یہ نذر خدا کے لئے انعام دے رہا ہوں۔ ان دونوں فقروں میں ”لام“ استعمال ہوا ہے (للنبي، لله) لیکن دونوں میں فرق ہے، نبی والا ”لام“ مصرف کا معنی دیتا ہے اور اللہ والا ”لام“ قربت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں نے دونوں فقروں کے لام کو ایک ہی معنی میں سمجھ لیا، شاید ابن تیمیہ یہ معنی سے واقف ہے لیکن خود خواب غفلت میں پڑا ہے!۔

عزامی نے ابن تیمیہ کی مخالفت میں فتویٰ دیا ہے: ”سعد کا یہ کہنا کہ یہ کنوں سعد کی ماں سے منسوب ہے، دلالت کرتا ہے کہ اس نے اپنی ماں کے لئے صدقہ دیا؛ نہ یہ کہ اس کنوں کے ذریعہ اپنی ماں کی قربت حاصل ہوگی!۔ مسلمانوں کی نذر میں بھی یہی مراد لیا جاتا ہے“۔

نذر کے متعلق مسلمانوں کی سیرت

بلا تفرقی مذہب و ملت، تمام امت مسلمہ کے درمیان راجح ہے کہ انبیاءؐ الہی اور اولیائے خدا کی بارگاہ میں نذر اور قربانی پیش کرتے ہیں، اگر نذر کرنے والا خدا کے لئے نذر کرے اور نذر کے وقت اس کی زبان پر نام خدا ہو تو اسے اس نذر کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

خالدی کا بیان ہے: ”نذر کے یہ معنی ہیں کہ پیغمبر الہی یا ولی خدا کو ثواب ہدیہ کیا جائے اور جو چیز قربانی کی جا رہی ہے اس میں رضاۓ خداوندی شامل حال ہو، مثلاً اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مردہ کے لئے قربانی کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے

کہ اس کی جانب سے صدقہ دیا ہے؛ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے مہمان کے لئے گوسفند نجح کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کا سبب مہمان ہے۔^(۱)

اب مسلمانوں کے درمیان نذر کے رواج کے چند نمونوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ بستی مراثی کی قبر: ان کی وفات ۲۰۷ھ میں واقع ہوئی، ان کی قبر مراثی میں زیارتگاہ بنی ہوئی ہے، لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں، برکتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، یہاں دعا مستجاب ہوتی ہے، میں نے خوب بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

خطیب سلمانی کا بیان ہے: ”اس قبر پر روزانہ ۸۰۰ رمشقال اور کبھی کبھی ۱۰۰۰ رمشقال بھی نزدیکی گئی۔ نذر کی تمام رقم محتاجوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ آج بھی اس قبر پر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور سب لوگ اپنی اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، میں خود بھی پانچ سو سے زیادہ بار اس قبر کی زیارت کے لئے گیا ہوں اور تیس راتوں سے زیادہ شب بیداری بھی کی ہے اور برکتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔^(۲)

۲۔ شیخ احمد بن علی بدوسی کی قبر: ان کی وفات ۲۵۷ھ میں ہوئی، ان کا مدفن طنبذ یا بطند تایاططا (مصر) میں ہے، ان کی قبر پر عالیشان مقبرہ تمیر کیا گیا ہے، لوگوں میں ان کی کرامات مشہور ہیں اور لوگ ان کی قبر پر نذر بھی کرتے ہیں۔^(۳)

۳۔ عبد اللہ بن محمد بن عمر کی قبر: یعنی فرزند علی ابن حسین بن علی بن ابی طالب کی قبر کے بارے میں بغدادی کا بیان ہے: ”ان کی قبر، قبر نزد ورکے نام سے معروف ہے جس کے کنارے مومنین نماز عید ادا کرتے ہیں، لوگ اس قبر کی زیارت کرتے ہیں

۱۔ صلح الاخوان: ص ۹۰۔ ۱. الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۲۔

۲۔ نیل الابتهاج: ج ۲، ص ۲۲، الغدیر: ج ۵، ص ۲۰۳۔

۳۔ معجم البلدان: ج ۳، ص ۳۶۳۔

اس قبر کو متبرک شمار کرتے ہیں، اس قبر کے کنارے بارگاہِ ربانی میں دستِ دعا بلند کرتے ہیں اور اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔

قاضی ابوالقاسم، اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: ”هم نے شہرِ سلام کے مشرقی حصہ میں قیام کیا اور ہمارا ارادہ تھا کہ کل علی الصباحِ روانہ ہوں گے، میں ایک قبر کے کنارے بیٹھا تو دیکھا کہ لوگ نذروات پیش کر رہے ہیں! میں نے پوچھا: یہ کس کی قبر ہے؟ جواب دیا گیا: قبرِ نذور ہے، لیکن اس قبر کی کیا داستان ہے مجھے معلوم نہیں، میں نے کہا: خلفاء یہ چاہتے تھے کہ اس قبر کو پہاڑ رکھا جائے لہذا ایک گڑھا کھودا اور مظلوم انسان کو زندہ در گور کر دیا، اسی سبب اس قبر کو قبرِ نذور کے نام سے جانا جاتا ہے، جو بھی اس قبر پر نذر مانے اس کی حاجت پوری ہوتی ہے اور نذرِ روفا کرنا بھی لازم ہے، میں نے بارہ نذر مانی اور میری حاجت پوری ہوئی“۔ عضد الدولہ اس عقیدہ کو مقبول نہیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اس نذر کا مقصد کچھ نہیں ہے بلکہ صرف عوامِ الناس نے بڑھاوا دیا ہے۔

ہم اس مقام پر چند روز قیام پذیر ہے، ایک روز علی الصباح عضد الدولہ نے مجھے بلا یا اور کہا: سواری پر سوار ہو جاؤ تاکہ قبرِ نذور پر چلیں، ہم چند لوگ مزارِ نذور پر گئے، عضد الدولہ مقبرہ میں داخل ہوئے اور قبرِ نذور کی زیارت کی، دو رکعت نماز پڑھی اور طولانی سجدہ کے ذریعہ رازِ نیاز میں محو ہو گئے! البتہ ان کا زمزمه کسی کو سنائی نہیں دیا، ہم واپس آئے اور ہمدان کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک روز عضد الدولہ نے مجھ سے کہا: کیا تم مجھے قبرِ نذور کی داستان سنائے ہوئے؟ جیسا کہ بغداد میں سنائی تھی! میں نے کہا: کیوں نہیں! کہنے لگے: مجھے ان باتوں پر کوئی اعتقاد نہیں تھا اور میری فکر یہ تھی کہ یہ سب بکواس ہے، لیکن تمہاری گفتگو کے بعد جب ایک مشکل سے سامنا ہوا تو تمہاری گفتگو میرے ذہن میں آئی کہ میں کیوں نہ نذر کروں! لہذا میں نے نذر کی کہ اگر خدا نے

میری مددکی تو اس صرتھ کو دس ہزار درہم ہدیہ کروں گا، چند روز بعد خبر ملی کہ وہ مشکل دور ہو چکی ہے، میں نے کاتب سے کہا: میرے جانشین ”ابوریان“ کو نامہ لکھئے کہ وہ نذر کے لئے دس ہزار درہم روانہ کرے، نامہ روانہ کیا گیا اور نذر کی وفا کی گئی۔ (۱)

نذر کے متعلق، علماء کے فتاویٰ

۱۔ خالدی نے ابو داؤد کی روایت نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے: ”اس روایت سے استناد کرتے ہوئے خوارج نے انبیائے الہی، صالحین اور اولیائے خدا کی نذر کو جائز شمار نہیں کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مقبرے بتوں کی مانند ہیں اور بتوں کے لئے نذر کرنا زمان جاہلیت کی رسم ہے۔ اس شرک آلو گفتگو سے خدا کی پناہ! ان کی گفتگو ان لوگوں کی گمراہی و خرافات کا ثبوت ہے۔ انہوں نے انبیائے الہی کی شان میں گستاخی کی، ان کو بتوں سے تشبیہ دی اور اس کے ذریعہ ان کی توہین کی! حالانکہ اگر کوئی شخص اشارتاً بھی انبیائے الہی کی شان میں عیب جوئی کرے وہ زمرة کفر میں داخل ہو جاتا ہے! بلکہ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ اس کی توہین کی قبول نہیں ہوتی، جیسا ہاں! خوارج نامی گروہ اپنی گمراہی کے دریا میں غرق ہو چکا ہے کیونکہ یہ گروہ انبیائے الہی سے توسل کو عبادت کا نام دیتا ہے اور ان کے مقبروں کو بتوں سے تعمیر کرتا ہے، اس گروہ کی گفتگو قابل توجہ نہیں ہے! (۲)؛ جیسا کہ این یتیمیہ اور اس کے پیر و کاروں کی گفتگو لائق توجہ نہیں!“۔ (۳)

.....
۱. تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۲۳.

۲. صلح الاخوان: ص ۹۰۶.

۳. الغدیر: ج ۳، ص ۱۸۳۔ خوارج کے بارے میں این یتیمیہ کا کیا نظریہ ہے؟ ظاہری بات ہے کہ ان کا جمیتی ہو گا کیونکہ اس کے بھی وہی نظریات ہیں! کہیں این یتیمیہ خارجی تو نہیں!؟۔ (متجم).

۲۔ رافعی نے کتاب تہذیب اور دیگر کتب سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: ”اگر کوئی یہ نذر کرے کہ فلاں شہر کے غرباء کو صدقہ دوں گا تو اس پر واجب ہے کہ صدقہ دے، اسی طرح اگر کوئی یہ نذر کرے کہ گرگان کی مشہور قبر کے لئے نذر بھیجے گا تو اس پر واجب ہے کہ نذر پر عمل کرے۔“

کتاب تہذیب کے مصنف کاظمی ہے کہ اس قسم کی نذر انھیں افراد کو دی جائے گی جن کے بارے میں نذر کی ہے کیونکہ عرف عام اسی کا اقتضا کرتی ہے، اور اگر عرف عام اس کا اقتضا نہ کرے تو پھر دونوں نظریات ہو جائیں گے:

الف: نذر صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں! کعبا اور قبر سوöl کے خلاف کہ ان دونوں مقامات کے لئے شریعت میں دلیل موجود ہے۔

ب: اگر صاحب قبر، خیر و نیکی میں معروف ہے تو اس کے لئے نذر صحیح ہے؛ اس بنا پر نذر فقط اسی کے متعلق خرچ ہونی چاہئے اور دوسرے کاموں میں خرچ کرنا صحیح نہیں ہے، سکی کے بقول: اگر اس نذر کو عرف عام معین نہ کر سکے تو ایسی نذر صحیح نہیں ہے۔ (۱)

۳۔ خالدی کا بیان ہے: ”نذر میں معیار، نذر کرنے والے انسان کی نیت ہے، کیونکہ انسان کے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہی ہوتا ہے، اگر نذر کرنے والے کی نیت، میت سے قربت حاصل کرنا ہو تو نذر جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ نذر خدا کے لئے ہو اور نذر کو زندہ لوگوں میں تقسیم کیا جائے اور اس کا ثواب مردہ کو ہدیہ کیا جائے تو یہ نذر صحیح ہے بلکہ واجب ہے، چاہے اس کا مصرف معین ہو یا نہ ہو! اگر نذر کا مصرف معین نہ ہو تو اس کو مقبرہ کے مجاورین اور اس شہر کے لوگوں میں یا میت کے اعزاز اوارق اقارب یا فقیروں

۱. فتاویٰ السیکی: ج ۱، ص ۲۹۲۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۱۔

تقطیم کیا جائے گا۔“

یہ نظریہ صرف خالدی کا نہیں بلکہ اذرعی، زرکشی، ابن حجر، رملی شافعی، قباني مصری، رافعی، نووی، علاء الدین حنفی، خیر الدین رملی حنفی، شیخ محمد غزی اور شیخ قاسم حنفی وغیرہ بھی اس نظریہ سے متفق ہیں۔ (۱)

۳۔ عزمی کا بیان ہے: ”ابن تیمیہ کی بیہودہ گفتگو نے بعض علماء، معتقدین اور شاگردوں کو گمراہی کی جانب کھینچ لیا؛ وہ دینی مسائل میں دھوکہ دھڑی اور چال بازی سے کام لیتا تھا، ایسا مطلب بیان کرتا تھا کہ جس کو ایک مسلمان زبان پر لانا بھی گواہ نہیں کرتا! اگر کوئی شخص مسلمانوں کی نذر کا تحقیقی جائزہ لے تو یقیناً اس تیجہ پر پہنچے گا کہ وہ لوگ انہیاں الہی، صالحین اور ولیاء خدا کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور اس کا ثواب ان کی ارواح مقدسہ کو ایصال کرتے ہیں؛ علمائے اہل سنت کا اجماع ہے کہ صدقہ، مردہ تک پہنچتا ہے اور اس کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے، اس کی تائید میں صحیح روایت بھی موجود ہے، اس بنابر بلا تفریق نہب و ملت، تمام اسلامی مذاہب میں نذر اور قربانی راجح تھیں اور آج بھی راجح ہیں۔“ (۲)

اس طولانی بحث کے بعد بھی کیا ابن تیمیہ اور اس کے مریدوں کا یہی نظریہ ہے کہ غیر خدا کے لئے نذر حرام ہے؟!



۱. صلح الاخوان: ص ۲۰۱۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۱۔

۲. فرقان القرآن: ص ۱۳۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۸۱۔

jabir.abbas@yahoo.com



غیر خدا کی قسم کھانا

وہاپوں کا نظریہ

وہاپوں نے غیر خدا کی قسم کھانا منوع قرار دیا ہے، بعض وہاپی، ایسی قسم کو مکمل شرک شمار کرتے ہیں لیکن بعض وہاپوں نے شرک اصغر سے تعبیر کیا ہے۔

ابن تیمیہ کا نظریہ

شرک کی دو قسمیں ہیں: (الف) شرک اکبر: خود شرک اکبر کی بھی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: مخلوق سے شفاعت کی درخواست اور توسل وغیرہ۔ (ب) شرک اصغر: مثلاً: ریا کاری، دکھاوا، خود کو بڑا کھانا اور غیر خدا کی قسم کھانا۔ غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہے اس کی دلیل یہ

ہے کہ ابن عمر نے پیغمبر اکرم سے نقل کیا ہے: ”اگر کوئی غیر خدا کی قسم کھائے تو وہ مشرک ہو گیا“، لیکن شرک اصغر مسلمان کو زمرةِ اسلام سے خارج نہیں کرتا بلکہ ایسے شخص کی توبہ قابل قبول ہے۔ (۱)

صنعتی نے کتاب ”تطهیر الاعتقاد“ میں بیان کیا ہے: ”قبر پرستوں نے بت پرستوں کے عمل کو اپنایا ہے اور ان کی سیرت پر عمل پیرا ہو گئے ہیں، وہ اپنی جان کی قسم کھاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی اپنی بات ثابت کرنے لئے خدا کی قسم کھائے تو اس کا یقین نہیں کیا جاتا لیکن اگر اولیائے الہی کی قسم کھاتا ہے تو یقین کر لیا جاتا ہے، ہاں! بت پرستوں کا بھی یہی عمل ہے۔“ (۱)

وہابی نظریہ کا تقیدی جائزہ

۱۔ خدا، پیغمبر، اصحاب، تابعین اور مسلمانوں نے غیر خدا کی قسم کھائی ہے، خداوند عالم نے قرآن کریم میں متعدد قسمیں کھائی ہیں مثلاً زمانہ کی قسم، دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم، فرشتوں کی قسم، ہواوں کی قسم، کشتی کی قسم، انجیر کی قسم، زیتون کی قسم، دن کی قسم، رات کی قسم، آسمان کی قسم، ستاروں کی قسم، صبح و مسما کی قسم، قلم کی قسم، قیامت کی قسم اور جان پیغمبرؐ کی قسم وغیرہ۔ (۲)

ممکن ہے کہ کوئی کہے: ہمیں قبول ہے کہ خدا نے اپنے علاوہ دیگر اشیاء کی قسم بھی کھائی ہے لیکن یہ دلیل نہیں کہ ہم بھی غیر خدا کی قسم کھائیں! تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ

۱. رسائل الهدیۃ: ص ۲۵.

۲. کشف الارتیاب: ص ۳۳۵.

۳. کیا یہ تمام جیزیں خدا ہیں؟ جب خدا ہی غیر خدا کی قسم کھا رہا ہے تو ہم کیوں نہیں کھا سکتے؟! (متجم).

غیر خدا کی قسم کا سرچشمہ، خود خداوند عالم ہی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ غیر خدا کی قسم ناپسند کام نہیں ہے۔ وہابی افکار کے مطابق: خود خداوند عالم بھی غیر خدا کی قسم کھا کر (معاذ اللہ!) شرک اصغر کا مرتبہ ہوا ہے۔ اب ان سے سوال کیا جاسکتا ہے: ”اگر خدا کی اطاعت کرتے ہوئے غیر خدا کی قسم کھائی جائے تو کیا حرج ہے؟“ -

ہماری نظر میں ایسی قسم میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اگر بندوں کے لئے غیر خدا کی قسم کھانا شرک کی دلیل بتا ہے تو پھر یہ قسم خدا کے لئے بھی قیچ ہونی چاہئے! کیونکہ غیر خدا کی قسم کھانا ہر حال میں شرک شمار ہو گا اور اگر یہ قسم خدا کی جانب سے بھی کھائی جائے تب بھی حکم تبدیل نہیں ہو گا!

۲۔ پیغمبر اکرم نے بھی غیر خدا کی قسم کھائی ہے، جن میں سے چند مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

الف: ایک شخص پیغمبر اکرم کی خدمت میں شر فیاب ہوا اور پوچھا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرے باپ کی قسم! تو بہت جلد آگاہ ہو جائے گا کہ صدقہ میں کتنے فوائد مخفی ہیں! اگر تو صدقہ دے گا تو سالم رہے گا اور تنگدستی سے نجات پائے گا۔ (۱)

ب: نجد کا ایک شخص پیغمبر اکرم کی خدمت میں آیا اور اسلام کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: نماز پڑھنا، ماہ رمضان میں روزہ وزکات، جو چیز آنحضرت بیان کرتے تھے، وہ شخص پوچھتا تھا: کیا اور پچھل بھی ہے؟ پیغمبر اکرم فرماتے تھے: نہیں، لیکن ہاں اس کا مستحب باقی ہے۔ وہ شخص پیغمبر اکرم کی خدمت سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوا کہ

۱۔ صحیح مسلم: ج ۳، ص ۲۱۹

خدا کی قسم! نہ اس میں کمی کروں گا نہ ہی اضافہ۔ آنحضرت نے فرمایا: اس کے باپ کی قسم! اگر وہ اپنے کہے پر عمل پیرا ہو جائے تو کامیاب ہو جائے گا، یا فرمایا: اس کے باپ کی قسم! اگر اس کے قول میں سچائی ہے تو وہ جنتی ہے (۱)؛ اس کے علاوہ روایات میں دیگر قسموں کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ (۲)

قطلانی نے اس روایت کے متعلق بیان کیا ہے: ”اس روایت میں (باپ کی قسم) کا تذکرہ نہیں ہے، کتب صحاح نے اس روایت کو مردود شمار کیا ہے۔“ (۳) قسطلانی کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کا پہلے ہی جواب دے چکے ہیں یعنی گزشتہ روایت ہماری بات کی تائید کرتی ہے۔

ابن عبدالبر سے منقول ہے: ”وابیه“ درحقیقت ”والله“ تھا جس میں تبدیلی کی گئی ہے۔

قطستانی نے ابن عبدالبر کا جواب دیتے ہوئے کہا: ”صرف اختال کی وجہ سے ہی مطلب کو ثابت نہیں کیا جاسکتا!“۔

ابو بکر سے روایت نقل کی گئی ہے: ”ایک چور نے اپنی بیٹی کے زیورات کی چوری کی تو ابو بکر نے اس چور سے کہا: تیرے باپ کی قسم! تو آج رات چونہیں ہے۔“ پھر قسطلانی کا بیان ہے: ”اس کا جواب بیہقی نے بہترین طریقہ سے دیا ہے۔“

بیہقی کا بیان ہے: ”لوگ رومرہ کی زندگی میں ایسی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان قسموں سے مراد حقیقی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ان کا تکمیل کلام بن چکا ہے کہ ہر بات میں

.....
۱. صحيح مسلم: ج ۳، ص ۲۲۳

۲. السنن الکبیری: ج ۹، ص ۲۲۶۔ تاریخ بغداد: ج ۱۲، ص ۷۷۔ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۲

۳. ارشاد الساری: ج ۹، ص ۷۵

دسویں فصل: غیر خدا کی قسم

(۲۳۱)

قسم کھاتے ہیں،” شاید اس میں ”رب“ پوشیدہ ہو یعنی درحقیقت قسم ایسے ہو ”ورب ایہ“ یعنی تیرے باپ کے رب کی قسم!۔

مرحوم سید حسن امین نے بہتی کا جواب دیتے ہوئے کہا: ”عرب، اس قسم کے الفاظ کو قسم میں استعمال کرتے تھے، ورنہ ایسی باتیں بیہودہ شمار ہوتی ہیں، ”رب“ کو پوشیدہ ماننے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے، منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے چچا ”ابو طالبؐ“ نے حضورؐ کی شان میں کچھا شعار کہے جن میں غیر خدا کی قسم کھاتی، لیکن آنحضرتؐ نے انھیں اس قسم سے بھی نہیں فرمائی، ابو طالبؐ نے فرمایا: ”بیت الہی کی قسم! یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ محمدؐ قیر اور ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور ہم ان کی رکاب میں رہ کر تیر و شمشیر نہیں چلا کیں گے!“۔

صحابہ کرام کی سیرت

۱۔ عبد اللہ بن جعفر کا بیان ہے: ”میں جب بھی اپنے چچا ”علیؐ“ سے کوئی چیز طلب کرتا تھا اور وہ انکار کر دیتے تھے تو میں ان کو اپنے باپ اور ان کے بھائی ”جعفر“ کی قسم دیتا تھا اور قسم کے بعد میری حاجت پوری ہو جاتی تھی“ (۱)؛ علیؐ نے صرف یہ کہ عبد اللہ کو غیر خدا کی قسم سے نہیں روکتے تھے بلکہ ان کی حاجت روائی بھی فرماتے تھے۔

۲۔ جور و ایت ابو بکر سے منسوب ہے وہ بھی یہ بیان کر رہی ہے کہ ابو بکر نے چور کے باپ کی قسم کھاتی۔ (۲)

۱۔ شرح نهج البلاغہ: ابن ابی الحدید، ج ۵، ا، ص ۷۳۔

۲۔ کشف الارتیاب: ص ۱۷۳۔

۳۔ علیؑ، معاویہ کو خط لکھتے ہیں: ”اے معاویہ! میری جان کی قسم! اگر تو عقل سے استفادہ کرے اور اپنے نفس کی پیروی نہ کرے تو یقیناً مجھے قتل عثمان میں ملوث نہیں پائے گا“۔ (۱)

۴۔ علیؑ، دوسرے خط میں معاویہ سے خطاب کرتے ہیں: ”میری جان کی قسم! اگر تو گمراہی اور تفرقہ بازی سے باز آجائے تو تھوڑے سے عرصہ میں لوگ تیرے دلدادہ ہو جائیں گے“۔ (۲)

۵۔ معاویہ علیؑ کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے: ”اے ابو الحسن! اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم خلافت حکومت کے لائچ میں جنگ کر رہے ہو تو میری جان کی قسم! بہت جلد مسلمانوں کے مقابل جنگ کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے“۔ (۳)

۶۔ امام سجادؑ، ایک شعر میں فرماتے ہیں: ”تیری جان کی قسم! مجھے وہ گھر پسند ہے جس میں رباب و سکینہ موجود ہوں“۔ (۴)

۷۔ روز عاشور علیؑ اکبرؑ نے ایک شعر میں اس طرح قسم کھائی: ”میں علی بن حسینؑ ابن علیؑ ہوں، بیت الہی کی قسم! ہم لوگ پیغمبر اکرمؐ سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں“۔ (۵)

۱. نهج البلاغہ: عبدہ، ص ۵۲۶.

۲. نهج البلاغہ: نامہ، ص ۹۴۰.

۳. کشف الارتیاب: ص ۳۳۹.

۴. تذکرة الخواص: ص ۲۳۳۔ الفصول المهمة: ص ۱۸۳۔ البداية والنهاية: ج ۸، ص ۲۰۹۔

الاغانی: ج ۲، ص ۱۳۹۔ المعارف: ابن قتیبہ، ص ۲۱۳۔ اعلام النساء المؤمنات: ص ۱، ص ۳۳۱۔

۵. تاریخ طبری: ج ۳، ص ۳۳۰۔

۸۔ عبد اللہ بن عمر عن عائشی، اپنے زمانہ میں سب سے معروف عابد و زاہد تھے، جب انہوں نے عمر و عاص کی زبانی رسول اکرمؐ کی حدیث سنی ”عمار کو ایک سرکش گروہ قتل کرے گا“ تو راتوں رات معاویہ کے لشکر سے جدا ہو گئے اور لشکر علوی سے جا ملے، انہوں نے لوگوں کو اس روایت سے آگاہ کیا اور اس کا اظہار اپنے اس شعر سے کیا: ”تیز رفتار اونٹوں کی قسم! جو سوار یوں کواس کی جانب لے جا رہے ہیں، جو عمر و عاص نے کہا وہ روایت میں منقول ہے، پیغمبر اکرمؐ کا قول، قابل تردید نہیں اور اس میں کسی قسم کی کجی کا وجود نہیں ہے۔“ (۱)

۹۔ مسروق نے عائشہ سے کہا: ”تمہیں قبر رسولؐ کی قسم! مجھے بتاؤ کہ تم نے آنحضرتؐ سے خوارج کے بارے میں کیا سنا ہے؟“ عائشہ نے جواب دیا: میں نے سنا کہ آنحضرتؐ فرمرا ہے تھے: خوارج بدترین مخلوق ہیں، اور انھیں بہترین مخلوق خدا موت کے لھاث اتارے گی۔“ (۲)

روایت ابن عمر کا تنقیدی جائزہ

ترمذی سے منقول ہے: ”ابن عمر نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کی قسم کھاتے دیکھا تو اس سے کہا: غیر خدا کی قسم نہ کھاؤ، میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو غیر خدا کی قسم کھائے وہ کافر ہے۔“ (۳)

- ۱. وقعة صفين: نصر بن مزاحم، ص ۳۲۲.
- ۲. كشف الارتیاب: ص ۳۲۰. البداية والنهاية: ج ۸، ص ۳۱۵. شرح نهج البلاغه: ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۲۷. بحار الانوار: ج ۳۳، ص ۳۳۹. بعض کتابوں سے یہ روایت حذف کر دی گئی ہے، شاید اس کا سبب اہل بیتؐ سے عناد ہے۔ کشف الاشعار: هیشمی، ج ۲، ص ۳۲۳. مجمع الروائد، ۶: ۲۳۹.
- ۳. ارشاد الساری: ج ۹، ص ۳۵۸.

اگر اس روایت کی سند صحیح ہوت بھی یہ روایت ہماری نظر میں حرمت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ قسم اس وقت حرام شمار ہو گی جب قسم کھانے والا غیر خدا کے بارے میں بھی وہی عقیدہ رکھتا ہو جو عقیدہ خدا کے بارے میں رکھتا ہے۔

قطلانی کا بیان ہے: ”اس روایت میں مبالغہ کی خاطر کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ غیر خدا کی قسم کھانے سے روکا جاسکے، فرقہٗ ماکلی کے نزدیک اس روایت سے غیر خدا کی قسم کھانا مکروہ شمار ہوتا ہے لیکن فرقہٗ حنبلہ کے نزدیک حرام ہے، اکثر علمائے شافعی کا نظر یہ ہے کہ مکروہ ہے۔“

امام الحرمین کا بیان ہے: ”یہ روایت یقیناً غیر خدا کی قسم کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، بعض افراد کہتے ہیں: ”اگر غیر خدا کی قسم میں اسی عظمت کے قائل ہو جائیں جس عظمت کے خدا کی بابت قائل ہیں تو اس صورت میں غیر خدا کی قسم حرام شمار ہو گی لیکن اگر غیر خدا کی قسم کھانا صرف اسی کی عظمت کے پیش نظر ہو تو کفر نہیں ہو گی۔“ (۱)



۱. ارشاد الساری: ج ۹، ص ۳۵۸



محافل و مجالس کا انعقاد

جشن میلاد کا انعقاد

دہابی فرقہ، پیغمبر اکرمؐ کی ولادت کا جشن منانے کو ناپسندیدہ کام شمار کرتا ہے، حالانکہ اس جشن میں تلاوت قرآن ہوتی ہے، حضورؐ سے عقیدت رکھنے والے شعرا، آنحضرت کی شان میں مدح سرائی کرتے ہیں اور مونین کی مهمان نوازی کی جاتی ہے۔ لیکن وہابیوں کے نزدیک جشن میلاد انہی ناپسندیدہ امر ہے۔

جشن میلاد کے متعلق، وہابیوں کے نظریات

ا۔ ان تینیوں کا نظریہ

ولادت پیغمبر اکرمؐ کے روز جشن منانا اور اس روز کو روز عید قرار دینا بے بنیاد بدعت

ہے، اس روز نہ تو اہل بیتؐ نے جشن منایا ہے، دوسرے افراد نے، بلکہ یہ عیسائیوں کی سنت ہے کہ وہ جناب عیسیٰ کی ولادت کے روز جشن مناتے ہیں، اسی طرح یہودی بھی اپنے آئین کے مطابق جناب موسیٰ کی ولادت پر جشن مناتے ہیں۔ بعض مسلمان بھی عیسائیوں کی پیروی کرتے ہوئے یا آنحضرتؐ سے عشق و محبت کے اظہار کی خاطر جشن مناتے ہیں، حالانکہ گزشتہ مسلمان یہ کام نہیں کرتے تھے، اگر پیغمبر اکرمؐ کی ولادت کے روز جشن منانا ایک پسندیدہ سنت ہوتی تو اس سنت پر گزشتہ امت مسلمہ بھی عمل پیرا ہوتی۔ (۱)

۲۔ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیعہ کا نظریہ

مشرکوں کی سیرت ہے کہ وہ قبروں پر جشن مناتے ہیں اور غیر خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں اس جشن کو عید سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلًاً مصر میں بدبوی کا جشن ولادت، البتہ یہ جشن عید سے بھی عظیم شمار ہوتا ہے؛ کیونکہ اس جشن میں شرک اور گناہان کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ (۲)

۳۔ محمد حامد القفقی کا نظریہ

اسلامی ممالک میں اولیاء الہی کے نام پر جشن منانا، ایک قسم کی عبادت اور تعظیم شمار ہوتی ہے۔ (۳)

اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے وہابیوں نے مندرجہ ذیل روایتوں سے استناد کیا ہے:

۱. اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۲۹۳.
۲. کشف الارتیاب: ص ۳۲۸.
۳. الملل والنحل: سبحانی، ج ۲، ص ۳۲۰.

- ۱۔ ابو ہریرہ نے پیغمبر اکرم سے نقل کیا: ”اپنے گھروں کو قبرستان مبت بناؤ، میری قبر پر عید نہ مناؤ، مجھ پر درود بھجو کیونکہ میں چاہے جہاں رہوں لیکن تمہارا درود وسلام مجھ تک پہنچتا ہے“۔ (۱)
- ۲۔ پیغمبر اکرم سے مردی ہے کہ آپ نے قبروں پر عید منانے کو منع کیا ہے۔

وہابی افکار کا تنقیدی جائزہ

۱۔ سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ جشن میلاد اور پرستش کے درمیان فرق ہے، کیونکہ کوئی عمل پرستش و عبادت اس وقت شمار ہو گا جب سامنے والے کی الوہیت کے قائل ہوں، اس کی روایت کے معتقد ہوں اور یہ بھی اعتقاد ہو کہ پروردگار کا کوئی ایک عمل اس سے سرزد ہوا ہے۔ لیکن جشن میلاد میں ان اعتقادات کا وجود نہیں! الہذا جشن میلاد کو پرستش سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

جشن میلاد النبی قرآن و روایات کا عملی (Practical) نمونہ ہے، یعنی آنحضرت سے اظہار محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان آپ گواپنے اور ترجیح دیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ قُلْ إِنَّ كَانَ أَبَاوْكُمْ وَأَبْنَاؤْكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ افْتَرَقْتُمُوهَا وَتَجَارَةً تَحْشُونَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجَهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهِيدِ الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾ یعنی (اے رسول!) کہ دیجئے: تمہارے آباء اجداد، تمہاری اولاد، تمہاری بیویاں، تمہارا قبیلہ، تمہارا کسب شدہ مال، تمہاری تجارت کہ جس کے نقصان سے ڈرتے ہو، اور تمہارے وہ گھر جو تمہارے

۱۔ مسند احمد: ج ۳، ص ۲۳۸

منظور نظر ہیں، اگر یہ تمام چیزیں خداور رسول اور ان کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو عذاب خدا کے منتظر ہوا و خداوند عالم نافرمان لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔ (۱)

پیغمبر اکرم سے منقول ہے: ”تم میں سے ایماندار وہی ہے جو خود سے زیادہ، اپنی اولاد اور دیگر افراد سے زیادہ میرے اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔“ (۲)

اس بنابر لازم ہے کہ حامد الفقی اور دیگر وہابی حضرات، بدعت کا فتویٰ لگانے سے پہلے جشن میلاد اور پرستش کے درمیان فرق پر اپنی توجہ مبذول کریں۔

۲۔ جب تک کسی کام میں شریعت کی جانب سے روک ٹوک نہ آجائے تب تک وہ کام جائز ہے، خودابن تیمیہ بھی اس مسلم قانون کا معتقد ہے اسی سبب کہتا ہے: ”لوگوں کے درمیان راجح رسومات جائز ہیں سوائے اس کے کہ خدا نے منع فرمایا ہو۔“ (۳)

جشن میلاد کے سلسلہ میں شریعت کی جانب سے کوئی نہیں نافذ نہیں ہوئی، البتہ ایک روایت ہے جس کا تقدیمی جائزہ لیا جائے گا۔ وسری جانب سے اگر جشن میلاد کی موافق تھیں کوئی روایت نہ ہو تو اس کو قرآن و سنت سے ثابت کیا جا سکتا ہے، قرآن و سنت میں وارد ہوا ہے کہ ”محمد و آل محمد علیہم السلام سے محبت، اسلام کی بنیاد ہے اور ان ہستیوں سے محبت نہ کرنا کینہ کی علامت ہے۔“

۳۔ ابن تیمیہ نے حلال و حرام کا معیار، بزرگوں کی سیرت کو قرار دیا ہے۔ حلال و حرام کا معیار، بزرگوں کی سیرت ہے یا قرآن و سنت؟

۱۔ سورہ توبہ / ۵۲.

۲۔ تفسیر الدر المنشور: ج ۳، ص ۲۲۳۔ ایک روایت قلوب کو زندہ کرتی ہیں۔ (الآمالی: شیخ صدق).

۳۔ منتهی الآمال: ج ۲، ص ۲۲۷۔ بحار الانوار: ج ۲، ص ۵۷۔ مسند احمد: ج ۳، ص ۷۰۔

موسوعة اطراف الحديث النبوی: ج ۷، ص ۳۱۲۔

اگر بزرگوں کی سیرت کو حلال و حرام کا معیار فرا دیا جائے تو بھی ابن تیمیہ کے خلاف ہے کیونکہ تاریخ میں ایسے نمونے ہیں جو جشن میلاد کے انعقاد کی تائید کرتے ہیں، جن میں سے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

الف: قسطلانی کا بیان ہے: ”مسلمانوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی ولادت کے مہینہ میں جشن مناتے ہیں اور ولیمہ کرتے ہیں، خدارحمت کرے ان لوگوں پر جو اس مبارک مہینہ کی راتوں میں جشن پاپا کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کے زخم دل پر نمک چھڑ کتے ہیں۔“ (۱)

ب: دیار بکری کا بیان ہے: ”مسلمانوں کی سیرت رہی ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت کے مہینہ میں جشن مناتے ہیں، موئین کی مهمان نوازی کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، اپنی سیرت کا اظہار کرتے ہیں، کارثی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، قصیدے پڑھتے ہیں اور آنحضرتؐ کی کرامتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔“ (۲)

۳۔ سیرت علماء

الف: ابن عباد کا بیان ہے: ”ہمارے لئے آشکار ہے کہ جشن میلاد النبیؐ مسلمانوں کی عید شمار ہوتی ہے، اس مبارک روز میں اظہار سیرت مباح ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔“ (۳)

ب: قسطلانی کا بیان ہے: ”خدارحمت کرے ان لوگوں پر جو اس مبارک مہینہ کی راتوں میں جشن پاپا کرتے ہیں اور منکریں کے زخم دل پر نمک چھڑ کتے ہیں۔“ (۴)

۱. الموهاب اللدنیۃ: ج ۱، ص ۲۷۳۔

۲. تاریخ الخمیس: ج ۱، ص ۲۷۳۔

۳. المواسم والمراسم: ص ۲۰۔ ۴. القول الفصل بمولد خیر الرسل: ص ۲۵۔

۵. الموهاب اللدنیۃ: ج ۱، ص ۲۷۴۔

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

ج: منقول ہے کہ سب سے پہلے اس مبارک روز میں ابوسعید رملی نے ۱۳۰ھ میں جشن منایا، البتہ بعض افراد کا نظر یہ ہے کہ سب سے پہلا جشن مصر میں خلیفہ فاطمی ”امعجز لدین اللہ“ نے منایا۔ (۱)

بہر حال تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ سیرت رائج رہی ہے کہ جشن میلاد منعقد کرتے تھے حالانکہ دیگر مسلمان اور فقہاء براہ راست یا بالواسطہ ان کے اس عمل پر اعتراض نہیں کرتے تھے!۔

روایت کا تحقیقی جائزہ

۱۔ وہابیوں نے جس روایت سے استناد کیا ہے وہ احمد بن حنبل نے سہیل بن ابی صالح سے دوسرا انداز میں نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”پرو دگار! میری قبر کو بُت قرار مت دینا“ (۲)؛ اس بنا پر ممکن ہے کہ روایت کی نقل میں غلطی ہوئی ہو! کیونکہ پیغمبر اکرم سے منقول روایت یہ ہے: ”خدایا! میری قبر کو بُت قرار نہ دے“ یعنی حضور نے اس جملہ سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کہ آپ کی قبر کو مسجد نہ بنائیں اور اس کی جانب سجدہ نہ کریں اور اس کی جانب رخ کر کے نماز نہ پڑھیں۔

۲۔ وہابیوں کے دعوے کے مطابق: پیغمبر اکرم نے فرمایا: ”میری قبر پر عید نہ مناؤ، لیکن یہاں لفظ ”عید“ کو ”قبر“ کے لئے خبر قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیونکہ ”عید“ کسی خاص روز یا خاص موسم پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس لفظ کو ”قبر“ کے لئے خبر شمار کیا جائے تو جملہ بے معنی ہو جائے گا لیکن ان جیسے جملوں میں لفظ ”عید“ کو خبر قرار دیا جاسکتا ہے مثلًا حج کا موسم، عید کا موسم ہے۔ یا۔ روز جمعہ روز عید ہے۔

۱. الملل والنحل: سیحانی، ج ۲، ص ۳۲۳۔

۲. مسند احمد: ج ۲، ص ۲۳۶۔

۳۔ چاہے روایت کے الفاظ کچھ بھی ہوں لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے، اور اس سے استناد نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ پہلی نقل میں سہیل بن ابی صالح کا نام ہے اور دوسری نقل میں عبداللہ بن نافع کا نام ہے اور ان دونوں لوگوں کی سند سے استناد نہیں کیا جاسکتا۔

سہیل بن ابی صالح کے متعلق، راوی شناسان کی رائے ثابت نہیں ہے، ابو حاتم کا بیان ہے: ”اس کی روایات نقل کی جاتی ہیں لیکن ان سے استناد نہیں کیا جاسکتا“، ابن مدینی کا بیان ہے: ”سہیل کا بھائی دنیا سے گزر گیا اور سہیل اس کے فراق میں بہت غمگین تھا اسی سبب وہ بہت سی احادیث بھول گیا“۔ ابن معین نے بھی اس کو ضعیف شمار کیا ہے۔

عبداللہ بن نافع کے متعلق بھی اچھے نظریات نہیں ہیں، مثلاً بخاری کا بیان ہے: ”اس کی بعض روایات تو معروف تھیں لیکن بعض احادیث معروف نہیں تھیں“۔ احمد بن حنبل نے بھی اس کو ضعیف شمار کرتے ہوئے کہا ہے: ”وہ صاحب حدیث اور اہل نظر نہیں تھا“۔ (۱)

رازی کا بیان ہے: ”وہ حافظ حدیث نہیں تھا بلکہ ضعیف شمار ہوتا تھا، اس کی بعض روایات مشہور ہیں اور بعض مشہور نہیں ہیں“۔ (۲)

۱. میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۲۲۳۔ تهذیب الکمال: ج ۱۲، ص ۲۲۳۔

۲. الجرح و التعديل: ج ۵، ص ۱۸۳۔ شفاء السقام: ص ۸۰۔

روایت کا مفہوم اور اس کی تفسیر

علماء کرام نے پیغمبر اکرم سے منقول روایت کی مختلف تفاسیر کی ہیں کہ جن میں سے اہم تفاسیر مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مندری کا بیان ہے: ”شاید اس روایت کے ذریعہ پیغمبر اکرم نے امت مسلمہ کو زیارت قبور کی ترغیب دلائی ہے، نہ یہ کہ ایام عید کی مانند صرف ایک دوبار زیارت کے لئے جائیں!“ - (۱)

۲- سکی کا بیان ہے: ”شاید اس روایت کا مطلب یہ ہو کہ میرے مزار پر دیگر قبور کی مانند صرف عید کے روز مدت آؤ میری زیارت کا ایک روز معین نہ کرو“ - (۲)

۳- خفاجی حنفی کا بیان ہے: ”شاید پیغمبر اکرم کی روایت کا یہ مطلب ہو کہ جس طرح عام قبروں پر چرانا کرتے ہو اور روز عید جشن مناتے ہو اس طرح میری قبر پر مت کرنا بلکہ جب میرے مزار پر آنا تو دعا کرنا زیارت کرنا اور واپس پلٹ جانا“ - (۳)

۴- مردی ہے کہ شاید پیغمبر اکرم کی روایت کا مقصد یہ ہو کہ لہو و لعب حضور کے شایان شان نہیں ہے اور آپ کی عظمت بعد وفات بھی حیات کی مانند ہے لہذا حضور کے مزار پر خرافات سے پرہیز کیا جائے۔ - (۴)

۱. شفاء السقام: ص ۸۰.

۲. ایضاً.

۳. شرح الشفاء: ج ۳، ص ۵۶۶.

۴. المواسم والمراسم: ص ۱۷.

خنابی حنفی کا بیان ہے: ”پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کا یہ مطلب ہے کہ میری زیارت کے لئے ایک دن معین نہ کرو اور لغویات سے پرہیز کرو کیونکہ یہ کام مکروہ ہیں“ بعض افراد کا نظریہ ہے: ”اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میری زیارت صرف عید سے مخصوص نہ کرو بلکہ میری زیارت کے لئے بہت زیادہ آیا کرو۔“

اس روایت میں مسلمانوں کو اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ حضورؐ کے مزار مبارک پر عید کی مانند فراحتات انجام نہ دو بلکہ دعا وزیارت کے لئے حاضری دو، سلام کرو اور واپس ہو جاؤ۔

خنابی کا دوسرے مقام پر بیان ہے: ”هم نے اس روایت کی تفاسیر اور اس کے معانی کا ذکر کر دیا ہے، اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ قبر پیغمبرؐ پر روز عید کی مانند حاضر نہ ہو، اس روایت سے ابن تیمیہ اور اس کے مریدوں کا دعویٰ صحیح ثابت نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کا اجماع ان کے خلاف ہے، لہذا اس روایت کی تفسیر ابن تیمیہ کے مخالف ہے کیونکہ ابن تیمیہ کی گفتگو صرف شیطانی و سوسمہ ہے۔“ (۱)



۱. نسیم الرياض فی شرح الشفاف: ج ۳، ص ۵۲۳۔ الغدیر: ج ۵، ص ۱۱۹۔

حرف آخر

وہا بیت کی تردید میں علمائے کرام نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں اور تجرب کی بات یہ ہے کہ صرف شیعہ علماء نہیں بلکہ خود علمائے اہل سنت نے صراحتاً مخالفت کی ہے یا یوں کہا جائے کہ تمام اسلامی مذاہب، وہا بیت کے مخالف ہیں مثلاً علمائے حنابلہ نے اس فرقہ کے خلاف چالیس سے زیادہ کتابیں تحریر کی ہیں (۱)؛ ان میں سے بعض کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱. ابن تیمیہ حیانہ و عقائدہ: صائب عبدالحمید (هم عصر).
۲. الآیات الجلیلہ: شیخ مرتضیٰ کاشف الغطاء۔ ۱۹۳۱ء۔
۳. اتحاف اهل الزمان باخبار ملوک تونس و عهد الامان: احمد بن ابی الضیاف.
۴. الاجوبة النجدية: عن الأسئلة النجدية: ابوالعون السفارینی الحنبلي۔ ۱۱۸۸ھ۔
۵. الآیات البینات: شیخ محمد حسین کاشف الغطاء۔ ۱۳۷۵ھ۔
۶. الوهابیۃ فی المیزان: شیخ جعفر سیحانی، (هم عصر)
۷. الارض و التربة الحسینیۃ: شیخ محمد حسین کاشف الغطاء۔ ۱۱۳۷ھ۔
۸. الاجوبة النعمانیۃ عن الاسئلة الہندیۃ: خیر الدین آلوسی۔ ۱۱۳۷ھ۔
۹. المقالات السنیۃ فی رؤڈ ضلالات ابن تیمیۃ: شیخ عبد الله الہبروی، (هم عصر)
۱۰. تاریخ الوهابیۃ: ایوب صبری باشا۔ (۲)

خداؤند عالم کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنی توفیق دی کہ ان تحقیقات کو ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل میں مومنین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں امید ہے کہ یہ حقیر کوشش بارگاہ اہل بیت علیہم السلام میں قابل قبول ہوگی۔ ”انشاء اللہ“۔

والصلوٰۃ نجم الدین طبسی



۱. بحوث فی الملل والنحل: ج ۳، ص ۳۵۳.

۲. مجلة تراثنا: ش ۲، شوال ۱۴۲۹ھ۔



وہابیت کی مخالفت اور اس کی جانب سے پیش آنے والے اعتراضات کے جواب میں امت مسلمہ کی جانب سے بے شمار کتابیں تصنیف ہوئی ہیں جن سے وہابی عقائد کی تردید مخواحسن واضح ہوتی ہے، اگر کوئی دانشوار صاحب عقل ان کتابوں کا مطالعہ کرے تو اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ وہابی عقائد باطل اور پوچ ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان عقائد کی مخالفت کرنے والا گروہ حق پر ہے چاہے اس گروہ کو راضی کے لقب سے نوازا جائے یا پھر کافر کہہ کر خطاب کیا جائے، لیکن اس حقیقت کے باوجود وہابیت اپنی تبلیغ و اشاعت میں دن رات ایک کٹے ہوئے ہے، کیا اس فرقہ کو یہ نظر نہیں آ رہا ہے کہ تمام امت مسلمہ اس فرقہ کے خلاف ہے؟ - وہابیت کی تردید میں تحریر کی جانے والی کتابوں میں سے سرفہرست شمار ہونے والی کتابوں کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

۱. ازاحة الغى فى الرد على عبد الحى: سید علی بن الحسن العسكری.

وہابیت کا تقدیمی جائزہ

(۲۲۶)

۲. ازاحة الوسوسة عن تقبيل الاعتاب المقدسة: شيخ عبد الله مامقانی.
۳. ازهاق الباطل: مرزا محمد بن عبد الوهاب کاظمی.
۴. الاسلام السعودی الممسوخ: سید طالب خراسانی.
۵. الاسلام والوثنية السعودية: فهد القحطانی.
۶. الاصول الاربعة في تردید الوهابیة: محمد حسن جان سرهندي.
۷. اظهار العقوق من منع التوسل بالنبی و الولي الصدوق.
۸. اعتراضات على ابن تیمية: احمد بن ابراهیم الحنفی.
۹. الاقوال المرضية في الرد على الوهابیة: عطاء الكسم الدمشقی.
۱۰. اكمال السنة في نقض منهاج السنة: سید مهدی قزوینی.
۱۱. کمال المنة في نقض منهاج السنة: سراج الدین الیمانی.
۱۲. الامامة الكبرى والخلافة العظمى في رذ منهاج ابن تیمية: سید حسن قزوینی.

بھی ہاں! دہبیوں کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کے مختلف طریقوں سے جواب دیئے جاچکے ہیں بلکہ علمائے اسلام ہر زمانہ میں ان کے باطل افکار و نظریات کی تردید کرتے رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ان کے مفہوموں کو جواب دیتے رہیں گے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ وہابیت کے مقابل کوہ مستحکم کی مانند ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں تاکہ یہ خطرناک سیلا بہارے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔

والسلام على من اتبع الرسول

سید شافعی حسن و ضوی چمعو لسی "ہنادی"

روز ولادت امام رضا عليه السلام ۱/ ذی قعده ۱۴۳۵ھ

بسطامی ۷ ستمبر ۲۰۱۴ء، بیروت یکنشیہ





١. قرآن كريم.
٢. نهج البلاغه.
٣. ابن تيميه حياته و عقائده: صائب عبد السلام.
٤. الاتحاف بحب الاشراف: الشبراوي، منشورات رضي قم.
٥. الاحكام السلطانية: المارودي، تبلیغات اسلامی قم.
٦. احياء العلوم الدينی: غزالی، الثقافة الاسلامية.
٧. اخبار مكة: ابن الولید ازرقی، دار الاندلس بيروت.
٨. ارشاد الساری: قسطلاني، دار الفكر بيروت.
٩. اسد الغابة: ابن اثیر شیبانی، المکتبة الاسلامية.
١٠. انسی المطالب: ابو يحيی انصاری، المکتبة الاسلامية مصر.
١١. الاصابة في معرفة الصحابة: ابن حجر عسقلانی، دارالكتاب بيروت.
١٢. الاصول السرخس: دار المعرفة بيروت.
١٣. اعلام النساء المؤمنات: محمد حسون وام على مشكور، اسوه قم.

وهابيت كاتقدي جازه

١٣. الآغاني: ابن الفرج اصفهانی، دار الفكر بيروت.
١٤. اقتضاء الصراط المستقيم: ابن تيمیه، دار المعرفة بيروت.
١٥. الانساب: سمعانی، دار الكتب العلمية بيروت.
١٦. ایمان ابوطالب: فخار بن معد، انتشارات فيروز آبادی قم.
١٧. بحار الانوار: مجلسی، دار الوفاء بيروت.
١٨. بحوث في الملل والنحل: سبحانی، جعفر، جامعه مدرسین قم.
١٩. البداية والنهایة: ابن کثیر، دار الفكر بيروت.
٢٠. البناء على القبور: المعلمی الیمانی، دار اطلس ریاض.
٢١. الناج الجامع لللاصول: شیخ منصور علی ناصف، بيروت.
٢٢. تاريخ الاسلام والملوک: طبری، دار المعارف بيروت.
٢٣. تاريخ الاسلام: ذہبی، دار الكتاب العربي.
٢٤. تاريخ الخمیس: الديار البکری، دار صادر بيروت.
٢٥. تاريخ بغداد: خطیب بغدادی، دارالكتب العلمیة بيروت.
٢٦. التبرک: علی احمدی میانجی.
٢٧. التبیین فی انساب القرشیین: مقدسی، مکتبة الهضة بيروت.
٢٨. التبیین لاسماء المدرسین: السبط بن العجمی.
٢٩. تذكرة الحفاظ: ذہبی، دار الكتب العلمية بيروت.
٣٠. الترغیب والترھیب: المنذری، دار الفكر بيروت.
٣١. تفییر الدر المنشور: سیوطی، دار المعرفة بيروت.
٣٢. التفسیر الكبير: فخر رازی، مطبعة البھیة مصر.
٣٣. تمھید فی شرح الموطا: ابن عمر قرطی، وزارت اوقاف.
٣٤. تهذیب الاحکام: طوسی، دار الكتب الاسلامیة طهران.
٣٥. تهذیب التهذیب: ابن حجر عسقلانی، دار الفكر بيروت.
٣٦. تهذیب الکمال: المزی، مؤسسة الرسالة بيروت.
٣٧. الجامع الصغیر: سیوطی، دار الفكر بيروت.
٣٨. Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

٣٩. الجامع للالصول: ابن اثير، دار احياء تراث، بيروت.
٤٠. الجرح و التعديل: الرازى، دار احياء تراث، بيروت.
٤١. الجواهر المضيئة: ابو محمد قرشى حنفى، دار العلوم رياض.
٤٢. الحديقة الندية: نابلسى، المطبعة العامرة استانبول.
٤٣. الحضرة الانسية فى الرحلة القدسية: نابلسى، بيروت.
٤٤. حلية الاولياء: ابو نعيم اصفهانى، دار الفكر بيروت.
٤٥. الخصائص الكبرى: سيوطى، دار الكتب الحديثة قاهره.
٤٦. درر الاخبار فيما يتعلق بحال الاختصار: محمد رضا، الآداب نجف.
٤٧. دفع شبهة من شبهة و تمرد: الحصنى الشافعى، دار الكتب العربية.
٤٨. دول الاسلام: العنزي.
٤٩. رد المختار: ابن عابدينى، بولاق القاهرة مصر.
٥٠. الرفع و التكميل: الكتوى، مؤسسة قرطبة.
٥١. الرياض النصرة: المحب الطبرى، دار الندوة الجديدة.
٥٢. سبل الهدى و الرشاد: الصالحي الشامي.
٥٣. سلسلة الاحاديث الضعيفة: الألبانى.
٥٤. سنن ابن ماجه: الفزروينى، دار احياء تراث بيروت.
٥٥. سنن ابى داؤد: السجستاني، دار احياء السنة النبوية.
٥٦. سنن الترمذى: محمد بن سورة، دار احياء تراث بيروت.
٥٧. سنن الدارقطنى: على بن عمر، دار المحاسن قاهره.
٥٨. السنن الكبرى: بيهقى، دار المعرفة بيروت.
٥٩. سنن النسائي: احمد بن شعيب، دار احياء تراث بيروت.
٦٠. سير اعلام النبلاء: ذهبي، الرسالة بيروت.
٦١. السيرة الحلبية: على بن برهان، بيروت.
٦٢. السيرة النبوية: ابن هشام، دار احياء تراث بيروت.
٦٣. السيف الصيقل: نقى الدين سبكي، مطبعة السعادة قاهره.

٢٤. شدرات الذهب: ابن عماد حنبلی، دار احیاء تراث بیروت.
٢٥. شرح السنة: البغوى.
٢٦. شرح الشفاء: ملا على القاری.
٢٧. شرح المواهب اللدنیة: الزرقانی، دار الكتب العلمیة.
٢٨. شفاء السقام فی زيارة خیر الانام: سبکی، دار الآفاق بیروت.
٢٩. الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: القاضی عیاض.
٣٠. صحيح بخاری: محمد بن اسماعیل، مطبوعات صبح قاهره.
٣١. صحيح مسلم: مسلم بن حجاج: دار احیاء تراث بیروت.
٣٢. صفة الصفوۃ: ابن جوزی، دار المعرفة بیروت.
٣٣. صلح الاخوان: خالدی.
٣٤. الضعفاء الصغير: نجاري، دار القلم بیروت.
٣٥. الضعفاء الكبير: عقیلی، دار العلمیة بیروت.
٣٦. الضوء اللامع: سخاوی، دار مکتبة الحياة بیروت.
٣٧. طبقات الحنابلة: ابن حسن بن ابی يعلی.
٣٨. طبقات الشافعیة: الاسنوری.
٣٩. طبقات القراء: سبکی، دار احیاء الكتب العربیة.
٤٠. الطبقات الكبرى: ابن سعد، دار بیروت.
٤١. طرح التشریب فی شرح التقریب: العراقي.
٤٢. العبر فی اخبار من غیر: ذھبی، دار الكتب العلمیة بیروت.
٤٣. عمدة القاری: العین الحنفی، دار احیاء تراث بیروت.
٤٤. الغدیر: الامینی، دار الكتاب العربی بیروت.
٤٥. فتاوی السبکی: سبکی، دار المعرفة بیروت.

